

اکابرین دیوبند، بالخصوص شیخ الغریب بن محمد بن حسین انصاری رحمہ اللہ
کے افکار و نظریات کا بے باک ترجمان

مجلہ صفدر

ترتیب

”نافع نمبر“..... اہل علم و قلم بھر پور توجہ فرمائیں!

- 2..... مدیر کے قلم سے
- مسند ابو حنیفہ کی ایک حدیث اور اس کی تشریح!!
- 4..... مولانا ابوالحسن بھٹی
- حضرت معاویہؓ پر ڈاکٹر رضوان ندوی کے اعتراضات کا جواب!
- 6..... مولانا مفتی امان اللہ
- مولانا حافظ صلاح الدین یوسف کی خدمت میں.....!
- 31..... مولانا عبد الجبار سلفی
- زبیر علی زئی کا تعاقب.....!
- 35..... مولانا مفتی رب نواز
- ارشاد الحق اثری اپنی تحریرات کے آئینے میں.....!!
- 45..... مولانا طیب الرحمن
- اگر دینی مدارس نہ رہے تو.....!!
- 51..... مفتی ابوالخیر عارف محمود
- قارئین کی آراء.....!!
- 57..... جناب سعید شیخ سلطان

برائے رابطہ

مولانا احسن خدای صاحب، مکان نمبر 4، گلی نمبر 82
محمود سٹریٹ، محلہ سردار پورہ، اچھرہ، لاہور

بغیضان

قائد اہل سنت وکیل صحابہ مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ
بیاد

امام اہل سنت حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ
شیخ المشائخ، امام الاولیاء مولانا خواجہ خان محمد رحمہ اللہ
مفسر قرآن مولانا صوفی عبد الحمید خان سواتی رحمہ اللہ
فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی عبدالککور ترمذی رحمہ اللہ
ترجمان اہل سنت حضرت مولانا نذیر اللہ خان رحمہ اللہ
فخر اہل سنت حضرت مولانا عبداللطیف جہلمی رحمہ اللہ
شہید اسلام حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمہ اللہ
امین ملت حضرت مولانا محمد امین صفدر اکاڑوی رحمہ اللہ
وکیل احتاف، شیخ الحدیث مولانا محمد حنیف رحمہ اللہ
ترجمان مسلک دیوبند مولانا نور محمد تونسوی رحمہ اللہ
وکیل صحابہ حضرت مولانا علی شیر حیدری شہید رحمہ اللہ
محقق اہل سنت مولانا سعید احمد جلاپوری شہید رحمہ اللہ

بدعا

وکیل صحابہ حضرت مولانا علامہ عبدالستار تونسوی رحمہ اللہ
حکیم العصر حضرت مولانا عبد الحمید لدھیانوی رحمہ اللہ

زیر سرپرستی

جانشین قائد اہل سنت مولانا حبیب الرحمن سومر مدظلہ
جانشین فقیہ العصر مولانا مفتی عبدالقدوس ترمذی مدظلہ
شیخ الصرف وانحو، نمونہ اسلاف مولانا محمد حسن مدظلہ
جانشین شیخ المشائخ حضرت مولانا خواجہ غلیل احمد مدظلہ

زیر نگرانی

جانشین امین ملت مولانا مفتی محمد انور اکاڑوی مدظلہ

مجلس مشاورت

مولانا فضل الرحمن دھرم کوٹی مولانا منظور احمد نعمانی
مولانا مفتی جمیل الرحمن..... مولانا عبد الرحمن ضیاء
مولانا محمد اعجاز مصطفیٰ..... جناب اشتیاق احمد
مولانا مفتی رب نواز، مولانا ندیم الرشید، مولانا احمد طاہر

مدیر اعلیٰ: مولانا جمیل الرحمن عباسی بہاول پور

مسئول: احسن خدای 0320-4902150

مدیر: حمزہ احسانی 0307-5687800

فی شمارہ: 25..... زر سالانہ: 300 روپے

نافع نمبر..... اہل علم و قلم سے تعاون کی درخواست!

وکیل صحابہ و اہل بیت حضرت مولانا محمد نافع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی وفات کے بعد اُن کی یاد میں صفدر کی طرف سے ”خصوصی شمارہ“ پیش کرنے کا داعیہ پیدا ہوا۔ اُستاذِ مکرم حضرت مولانا محبوب احمد مدظلہ اور مولانا مفتی رب نواز مدظلہ سمیت متعدد احباب کا بھی مطالبہ تھا، حضرت مدیر اعلیٰ صاحب سے مشاورت کے بعد ’عزم‘ کر لیا۔ مگر اعلان سے قبل حضرت کے فرزندان سے اجازت کی خاطر ۹ جنوری ۲۰۱۵ء کو اُن کی خدمت میں حاضری دی، ہمارے عزم سے وہ باخبر تھے، لیکن اُن کی خواہش تھی اور ہے کہ کسی بڑے ادارے ”بینات“ یا ”البلاغ“ وغیرہ کی طرف سے حضرت رحمہ اللہ کا ”خاص نمبر“ شائع ہو، لہذا انہوں نے بندہ سے فرمایا کہ:

”حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ ہمارے والد ضرور تھے، لیکن اُن پر ہماری کوئی اجارہ داری نہیں، وہ تمام اہل سنت کے بزرگ تھے، اس لیے ہم نہ کسی کو اُن پر کام کرنے سے روکیں گے اور نہ ہی روک سکتے ہیں۔ اُن کے حوالے سے جو کوئی بھی کام کرنا چاہے، خوشی کرے۔ لیکن اس بارے میں حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ کے مزاج و مذاق کا خیال ضرور رکھا جائے، کوئی مضمون اُن کے مزاج کے خلاف شائع نہیں ہونا چاہیے۔ آپ حضرات چونکہ ہم سے مشورہ کے لیے آئے ہیں، اس لیے بطور مشورہ عرض ہے کہ آپ، حضرت سے متعلق مواد اکٹھا کرتے رہیں اور اُسے اپنے معمول کے شماروں میں شائع کرتے رہیں۔ خاص نمبر کی ارادہ فی الحال ملتوی کر دیں۔ چونکہ ہمارے ہاں آپ کے مجلہ ”صفدر“ سے بہت پہلے سے ماہنامہ ”حق چار یار“ اور ماہنامہ ”الحقانیہ“ وغیرہ رسائل بھی آرہے ہیں۔ ممکن ہے اُن میں سے کوئی، حضرت رحمہ اللہ پر ’اشاعت خاص‘ کا تقاضا کرے، اس لیے ابھی ہم کچھ نہیں کہہ سکتے۔ ہاں آپ مواد اکٹھا کرتے رہیں، اگر آپ نے دوسروں کی نسبت زیادہ مواد اکٹھا کر لیا تو ہمارے پاس ’اشاعت خاص‘ میں آپ کے ساتھ تعاون کا معقول عذر ہوگا۔“

بندہ نے عرض کیا کہ: مقصود صرف حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ سے اپنی عقیدت کا اظہار اور ان کے احوال سامنے لانا ہے۔ اس لیے حضرت کے افکار و نظریات سے مطابقت و موافقت رکھنے والا کوئی بھی ادارہ یا فرد مسلکی بنیاد پر یہ کام کرے تو ان شاء اللہ ہمارا ہر قسم کا تعاون اُس کے ساتھ ہوگا۔ فی الحال ہم آپ کے

مشورے کے مطابق اشاعت خاص کا ارادہ ملتوی کر دیتے ہیں۔ اگر ضرورت پڑی تو ان شاء اللہ ”صفر“ ہر طرح کی خدمت کے لیے حاضر ہے۔

ادھر محترم جناب انجم نیازی صاحب نے از خود حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ کے فرزند ان سے بات کر کے بندہ کو ”صفر“ کی طرف سے ہی خاص نمبر کی تیاری کا حکم دیدیا۔ چنانچہ باہمی مشاورت کے بعد اشاعت خاص کا ”اعلان“ لگا کر چند اہل علم و قلم کی خدمت میں عریضہ بھی ارسال کر دیا گیا، لیکن احتیاطاً مجلہ ”صفر“ کا نام نہیں لکھا۔ ارادہ تھا کہ مواد اکٹھا کر لیا جائے، اگر کوئی قابل اعتماد مسلکی رسالہ یہ سعادت حاصل کرنے کے لیے آگے بڑھا تو اُس کے ساتھ تعاون ہو جائے گا۔ اور اگر ماہنامہ ”بینات“ یا ماہنامہ ”البلاغ“ کی طرف سے حضرت کا خاص نمبر شائع ہو جائے تو یقیناً حضرت کے احوال نہ صرف اندرون ملک بلکہ بیرون ملک ہر طبقہ کے اہل سنت کی ایک کثیر تعداد تک پہنچ جائیں گے۔

چند روز بعد حضرت کے صاحبزادہ گرامی نے بذریعہ فون بندہ سے فرمایا کہ: آپ کا ”اعلان“ دیکھ کر بہت خوشی ہوئی، آپ محنت اور کوشش فرمائیں، ہم آپ کے ساتھ ان شاء اللہ ہر قسم کا تعاون کریں گے۔ حضرت کی مرتب شدہ ڈائریاں، حضرت کے نام مختلف لوگوں کے خطوط، خود حضرت کے مکاتیب اور دیگر مواد آپ کو دیا جائے گا۔ آپ ہم سے رابطہ میں رہیں۔ بندہ نے عرض کیا کہ: فی الحال ہم نے اعلانات اور اہل علم کی خدمت میں عریضہ ارسال کرنے پر اکتفاء کیا ہے، کیونکہ ابھی تعلیمی مصروفیات کے ساتھ ساتھ ”غامدی نمبر“ کی مصروفیت بھی ہے، اُس کی تکمیل کے بعد ان شاء اللہ مسلسل رابطہ رہے گا۔

”اعلان“ تو پہلے سے ہم کر چکے تھے، حضرت کے صاحبزادہ گرامی کے ارشاد کے بعد مزید اہتمام کے ساتھ کام شروع کر دیا گیا ہے۔ اہل علم و قلم نے شفقت و عنایت کی اپنی سابقہ روایت برقرار رکھی تو ان شاء اللہ حسب سابق مفصل و جامع اشاعت خاص کا اہتمام کیا جائے گا۔ جملہ اہل علم و قلم سے مؤدبانہ درخواست ہے کہ حضرت رحمہ اللہ سے متعلق اپنے تاثرات، تعزیتی پیغامات اور مضامین و مقالات یکم جون ۲۰۱۵ء تک ”صفر“ کے پتے پر ارسال فرمادیں۔ جزاکم اللہ أحسن الجزاء۔

”فتنہ غامدی نمبر“ تیزی سے ترتیب و تدوین کے مراحل طے کر رہا ہے، تکمیل کے بعد ان شاء اللہ قارئین کو آگاہ کر دیا جائے گا۔ اور ”نافع نمبر“ کے بعد ان شاء اللہ محقق اہل سنت حضرت مولانا نور محمد تونسوی رحمہ اللہ کی یاد میں بھی خصوصی اشاعت کا اہتمام کیا جائے گا۔ اس کے لیے بھی ہم اہل علم و قلم کے تعاون کے محتاج رہیں گے۔

مسند امام ابوحنیفہ کی ایک حدیث اور اس کی تشریح

أبو حنيفة عن علي بن الحسين الزرادي عن تمام عن جعفر بن أبي طالب: ان ناسا من أصحاب النبي ﷺ دخلوا على النبي ﷺ فقال: ما أراكم قلحا، استاكوا فلولاً أن أشق على أمتي لأمرتهم بالسواك عند كل صلوة. [مسند أبو حنيفة برواية الحصكفي: ۲۳]

ترجمہ: نبی ﷺ کے صحابہ میں سے کچھ لوگ نبی ﷺ کے پاس حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا: میں تمہارے دانتوں پہ زردی، میل دیکھ رہا ہوں، مسواک کیا کرو! مجھے اپنی امت پر مشقت کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں انہیں ہر نماز کے ساتھ مسواک کرنے کا حکم دے دیتا۔

فقہ الحدیث وتشریح الروایہ:

- ۱۔ صحابہ کرامؓ، رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، لہذا چھوٹوں مثلاً شاگردوں، مریدوں کو بڑوں مثلاً استادوں، پیروں کے پاس حاضری دینی چاہیے۔
- ۲۔ دخول جمع کا صیغہ ہے، لہذا بڑوں کے پاس اجتماعی صورت میں حاضر ہونا بھی صحیح ہے۔
- ۳۔ چھوٹوں کی آمد پر بڑے انہیں وقت دیں، یہ بات اخلاقی نبوت کا حصہ ہے۔
- ۴۔ آنے والوں کو نصیحت کرنا اُسوۂ نبوی ہے۔
- ۵۔ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام کو تنبیہ فرمائی، لہذا بڑوں کو چھوٹوں پر تنبیہ کا حق حاصل ہے۔
- ۶۔ جب بڑوں کو چھوٹوں پر تنبیہ کا حق ہے تو چھوٹوں میں ڈانٹ سہنے کا حوصلہ ہونا چاہیے۔ مسند ابوحنیفہ ہی کی ایک روایت میں ”مالی أراکم“ کا جملہ ہے اور لفظ ”مالی“ ڈانٹ کے لیے استعمال ہوتا ہے۔
- ۷۔ رسول اللہ ﷺ نے ایک سے زائد صحابہ کو تنبیہ فرمائی، لہذا جماعت کو اس کی کسی کوتاہی پر سمجھانا درست بلکہ ضروری ہے جیسا کہ فرد واحد کی اصلاح ضروری ہوتی ہے۔
- ۸۔ آپ ﷺ نے فی الفور صحابہ کی اصلاح فرمائی، لہذا فی الفور سمجھانا مصلحت کے خلاف نہ ہو تو فوراً سمجھا دینا بہتر ہوتا ہے۔
- ۹۔ ”ناساً“ کا لفظ نکرہ ہے، اس لیے معنی ”کچھ لوگ“ ہوگا۔ یعنی اس موقع پر بعض لوگوں کے دانت میلے تھے نہ کہ سب کے۔
- ۱۱۔ جن لوگوں کے دانت میلے تھے ان کا نام نہیں بتایا گیا۔ صحابہ کا عام معمول تھا کہ جب کسی مسلمان کی کسی کمی

کو بیان کرتے تو اس کا نام ذکر نہیں کرتے تھے۔ اس سے ایک اصول نکلتا ہے کہ کسی کی کوتاہی کو ذکر کرنے کی اگر ضرورت پیش آجائے تو اس شخص کا نام نہ لیا جائے۔

۱۰۔ ان بعض پر بھی دانتوں کے میلے ہونے پر اعتراض کرنا درست نہیں، اس لیے کہ یہ اُن کی ابتدائی حالت تھی، آپ ﷺ کے سمجھانے کے بعد صحابہ کرام مسواک کرنے کا اہتمام کیا کرتے تھے۔

۱۲۔ قلحاً: ق پر پیش، ل پر شد اور زبر ہے اور یہ لفظ ”قلح“ کی جمع ہے۔ قلح کا معنی ”دانتوں کی زردی والا“ ہے۔

۱۳۔ استاکوا: یہاں امر استحباب کے لیے ہے، لہذا مسواک کرنا مستحب و مسنون ہے، واجب نہیں۔

۱۴۔ فرمان نبوی ”مجھے اپنی امت پر مشقت کا اندیشہ نہ ہوتا تو...“ سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ امت کے لیے رحم دل تھے۔ یہ جملہ آپ کے رحیم ہونے کی دلیل ہے۔

۱۵۔ آپ ﷺ نے یوں نے نہیں فرمایا: ”لوگوں پر مشقت کا اندیشہ...“ بلکہ ارشاد ہے کہ ”اپنی امت پر مشقت کا اندیشہ“ آپ نے انسانوں کو ”اپنی امت“ کہہ کر امت سے محبت کا اظہار کیا ہے۔ جیسے ماں بیٹے کو ”میرا بیٹا“ کہتی ہے۔ یہاں نام کے بجائے ”میرا بیٹا“ کہنا محبت ظاہر کرنے کے لیے ہے۔

۱۶۔ فرمان نبوی ”میں انہیں مسواک کرنے کا حکم دے دیتا“ کا مطلب یہ ہے کہ مسواک کو واجب قرار دے دیتا۔ آپ ﷺ نے وجوبی طور پر مسواک کرنے کا حکم نہیں دیا، ویسے تو حکم فرمایا ہے۔

۱۷۔ ہر نماز کے وقت مسواک سے مراد نماز کے وضو کا وقت ہے اس لیے کہ دوسری حدیثوں میں ”عند کل وضوء“ آیا ہے ان حدیثوں کے پیش نظر مذکورہ حدیث میں لفظ ”وضوء“ محذوف مانا جائے گا، تقدیری عبارت ”عند کل وضوء الصلوۃ“، ”نماز کے ہر وضو کے وقت“ ہوگی۔ آپ ﷺ کا اپنا عمل بھی وضو کے ساتھ مسواک کرنے کا تھا، نیز عموماً محدثین مسواک والی حدیثوں کو ”کتاب الطہارۃ“ کے تحت لائے ہیں، لہذا مسواک وضو کی سنت ہے نہ کہ نماز کی۔

عقلی طور پر غور کیا جائے تو بھی ”مسواک ہر وضو کے وقت“ والی حدیث کا مسئلہ راجح معلوم ہوتا ہے کیونکہ وضو سے دانتوں کی صفائی مقصود ہوتی ہے اور وہ وضو کے وقت وضو خانہ ہی میں مناسب رہے گی نہ کہ نماز کے وقت مسجد میں بالخصوص جب مسواک کرنے سے دانتوں سے خون نکلنے کا احتمال بھی ہو۔

استاذ محترم حضرت مولانا کمال الدین المستر شد صاحب دام ظلہ نے ہمیں ترمذی پڑھاتے ہوئے فرمایا تھا کہ: شوافع کے ہاں مسواک نماز کی سنت ہے، اس لیے جب نماز کھڑی ہونے لگتی ہے تب وہ جلدی سے مسواک کر لیتے ہیں، مگر شوافع محدثین نے مسواک والی حدیثوں کو ”کتاب الصلوۃ“ کے تحت لانے کی بجائے ”کتاب الطہارۃ“ کے ذیل میں لائے ہیں۔ اسے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی کرامت کہیں یا کچھ اور، بہر حال یہ حیران کن بات ضرور ہے۔

حضرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ..... اور ڈاکٹر رضوان علی ندوی کی تنقید کا علمی محاسبہ

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے انتہائی جلیل القدر، عظیم المرتبت اور ذی شان صحابی اور کاتب وحی تھے۔ لیکن قرآن پاک کی موعودہ ”خلافت راشدہ“ کا مصداق بالاتفاق حضرات خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم ہی ہیں۔ زیر نظر مضمون میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے جس ”خلافت“ کا اثبات کیا گیا ہے، اُس سے مراد ”خلافت راشدہ مطلقہ“ ہے، نہ کہ ”خلافت راشدہ موعودہ“۔ [ادارہ]

مؤرخہ ۷/۸ جولائی (۲۰۱۳ء) کے روزنامہ ”امت“ میں ”ڈاکٹر سید رضوان علی ندوی“ صاحب کا ایک مضمون بعنوان ”حضرت معاویہؓ اور قدیم مؤرخین اور محدثین“ شائع ہوا، جس میں ڈاکٹر صاحب نے ”اہل السنۃ والجماعۃ“ کے موقف سے انحراف کر کے بزعم خویش حضرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ”صحیح حالات“ پر ”تاریخی حقائق“ اور ”قدیم مؤرخین و محدثین“ کی آراء کی مدد سے روشنی ڈالی ہے اور یہ ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے زبان زد عام مشہور فضائل و مناقب من گھڑت ہیں، قدیم مؤرخین و محدثین میں سے کسی نے انہیں ذکر نہیں کیا، اس ضمن میں ”ڈاکٹر صاحب“ نے مولانا اور نگزیب صاحب فاروقی کے مضمون (یا بالفاظ دیگر حضرت امیر معاویہؓ) پر جو اعتراضات کیے ہیں ان کا حاصل یہ ہے کہ:

(۱)..... سیدنا امیر معاویہ ایک عام صحابی تھے، ”جلیل القدر اور“ ”عظیم المرتبت“ نہیں تھے۔

(۲)..... وہ آپ ﷺ کے خطوط و معاہدات لکھا کرتے تھے، البتہ ”کاتب وحی“ نہیں تھے۔

(۳)..... وہ ”مؤلفۃ القلوب“ اور ”طلقاء“ میں سے تھے، اور فتح مکہ کے بعد اسلام لائے۔

(۴)..... وہ ”اول الملوک“ تھے، ”خلیفہ“ نہیں تھے۔

(۵)..... حضور اکرم ﷺ سے ان کی فضیلت میں کوئی صحیح حدیث مروی نہیں۔

نوٹ: اعتراضات کا جواب دینے سے قبل قارئین کے لیے ایک بات کی وضاحت کرنا ضروری ہے، وہ

یہ کہ ہماری یہ تحریر ڈاکٹر رضوان علی ندوی صاحب کے مضمون کے جواب میں لکھی گئی تحریر کا خلاصہ، تلخیص، بلکہ اُس کا اجمالی خاکہ ہے، اصل تحقیق و تفصیلی جواب میں ہم نے ڈاکٹر صاحب کے اٹھائے گئے اعتراضات کو تفصیل سے ذکر کرنے، پھر ان کا تجزیہ و تحلیل کرنے، مولانا اورنگزیب صاحب کے مضمون سے ان کا موازنہ کرنے، ان کے درمیان محاکمہ کرنے کے علاوہ ڈاکٹر صاحب کے ذکر کردہ اقتباسات کی اصل کتاب کی طرف مراجعت کر کے سیاق و سباق سے انہیں مکمل دیکھ کر ان کے صحیح مغایہم و مطالب بیان کرنے کا کام کیا ہے۔ اور اس سلسلے میں ڈاکٹر صاحب کے تسامحات کی نشاندہی کی ہے۔

جب کہ موجودہ تلخیص خالص علمی انداز میں اُس تفصیلی جواب کا خلاصہ اور لب لباب ہے، جسے اہل علم اور اسی طرح وہ حضرات جنہوں نے ڈاکٹر صاحب کی تحریر بغور پڑھی ہو اور ان کے ذہنوں میں اس کا مفہوم باقی ہو، وہ تو قدرے آسانی سے سمجھ جائیں گے، البتہ جن حضرات نے ڈاکٹر صاحب کی تحریر نہیں پڑھی، یا ان کے ذہنوں میں اس کا مفہوم محفوظ نہ ہو، تو وہ حضرات شاید ہماری اس تحریر میں کچھ تشکیکی (جو بوجہ تلخیص کے پائی جائے گی) محسوس کریں گے، اس کے لیے ہم پیشگی معذرت خواہ ہیں، لیکن اگر وہ اس کے ساتھ ساتھ ڈاکٹر صاحب کی تحریر بھی سامنے رکھ کر مطالعہ کریں گے، تو ان شاء اللہ وہ تشکیکی بھی باقی نہیں رہے گی۔

پہلے اعتراض کا جواب:

جہاں تک پہلی بات کا تعلق ہے، سو اس سلسلے میں ”ڈاکٹر صاحب“ دلیل تو کوئی بھی پیش نہ کر سکے، البتہ اپنے اندر کے غصہ و کینہ کا خوب اظہار کر کے ایک صحابی رسول ﷺ کی شان میں زبان درازی کی ہے، جس سے ان کا مدعا ہرگز ثابت نہیں ہوتا۔

مختصر عرض یہ ہے کہ ”جلیل القدر“ اور ”عظیم المرتبت“ یہ دونوں صیغہ صفت ہیں اور کلی مشکک کے طور پر ان کا اطلاق اپنے تمام افراد پر اولیت و اولویت (کمی و زیادتی) کے اختلاف سے ہوتا ہے اور اس بات پر تمام اہل سنت متقدمین و متاخرین کا اتفاق و اجماع ہے کہ خود ”صحابیت“ ایک ایسا بلند مقام ہے کہ نبوت کے بعد اس سے اونچا کوئی مقام نہیں۔ اور یہی معنی ہے ”جلیل القدر“ اور ”عظیم المرتبت“ ہونے کا۔

تمام انبیاء علیہم السلام اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سب سے زیادہ مقرب لوگ ہیں، لیکن ان کے درجات میں پھر بھی تفاوت ہے اور یہ تفاوت ”تقرب“ کے اس مقام کے منافی ہرگز نہیں، لہذا تمام صحابہ رضی اللہ عنہم ”جلیل القدر“ اور ”عظیم المرتبت“ ہیں اور کسی صحابی کے ”جلیل القدر“ اور ”عظیم المرتبت“ ہونے سے دوسرے کسی صحابی کی ”جلالت قدر“ اور ”علوم مرتبت“ کی نفی پر استدلال کرنا ایک ”مصحکہ خیر“ بات ہے۔

اب ذرا ”ڈاکٹر صاحب“ کی عبارت ملاحظہ فرمائیے:

”اگر حضرت معاویہؓ ہی ”جلیل القدر“ اور ”عظیم المرتبت“ خلیفہ تھے تو پھر حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمر فاروقؓ کے لیے کون سے الفاظ مدح باقی رہ گئے؟!

لفظ ”ہی“ سے حصر کا مفہوم بیان کرنا مولانا اور نگزیب صاحب پر غلط الزام ہے، جس سے وہ بری ہیں، اس پر مزید تبصرہ اہل علم حضرات کی خدمت میں چھوڑ دیا جاتا ہے۔

سورۃ الحدید آیت ۱۰ کا مفہوم یہی ہے کہ فتح مکہ سے قبل قتال و اتفاق کرنے والوں کا مقام فتح مکہ کے بعد قتال و اتفاق کرنے والوں سے زیادہ ہے اور یہی مسلم بھی ہے۔ مولانا اور نگزیب صاحب نے بھی اس سے انکار نہیں کیا، مگر اس سے حضرت امیر معاویہؓ کی ”جلالت قدر“ اور ”علو مرتبت“ کی نفی پر وجہ استدلال کیا ہے؟

جہاں تک سورۃ التوبہ آیہ نمبر ۱۰۰ کا تعلق ہے تو اگر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ”السابقون الاولون“ کا مصداق نہیں تو ”والذین اتبعوہم“ میں شامل ہو کر ”رضی اللہ عنہم“ کا مصداق ہونے میں تو کسی بھی قدیم و جدید مفسر کو کوئی کلام نہیں۔

”اتباع بالاحسان“ کی تفسیر ”اتباع قبل از فتح مکہ“ سے کرنا اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس خوشنودی (رضی اللہ عنہ) سے خارج قرار دینا یہ ”ڈاکٹر صاحب“ کی ”خانہ زاد تفسیر“، ”انوکھی تحقیق“، بلکہ آیت کے مفہوم میں واضح ”تحریف“ ہے، جس سے چودہ (۱۴) صدیوں کے تمام مفسرین (جدید و قدیم) علماء بری ہیں۔

آیت کی تفسیر میں قدیم و جدید مفسرین کرام نے جو کچھ لکھا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ:

(۱) ”السابقون الاولون“ کے مصداق میں چھ (۶) مختلف اقوال ہیں: ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اس سے مراد تمام صحابہ کرامؓ ہیں۔

(۲) سابقہ قول کے مطابق تمام صحابہؓ مراد لینے کی صورت میں ”والذین اتبعوہم“ سے مراد تابعین ہیں اور جنہوں نے اول الذکر (السابقون الاولون) سے مراد قدماء صحابہؓ لیے ہیں، ان کے نزدیک آخر الذکر (والذین اتبعوہم) سے مراد وہ صحابہؓ ہیں جنہوں نے قسم اول کے افعال میں ان کی اچھی پیروی کی۔

(۳) ”والذین اتبعوہم“ کا مصداق ”السابقون الاولون“ کے بعد ایمان لانے والے تمام صحابہ کرامؓ سمیت قیامت تک آنے والے تمام مسلمان ہیں، جو ایمان لا کر ان کی اچھی پیروی کریں۔

(۴) ”اتباع بالاحسان“ کی ایک تفسیر یہ ہے کہ اعمال صالحہ میں قسم اول (السابقون الاولون) کی پیروی کی جائے۔

دوسری تفسیر یہ ہے کہ قسم اول کے بارے میں اچھی رائے و اعتقاد رکھا جائے، ان پر طعن و تشنیع نہ کی جائے۔

تیسری تفسیر یہ ہے کہ قسم اول کے محاسن ذکر کیے جائیں اور ان کے لیے رحمت وغیرہ کی دعا کی جائے۔
اب اس کا حاصل یہ ہے کہ:

(الف) ”والذین اتبعوہم“ سے مراد ”سابقین اولین“ کے بعد والے تمام صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں۔
(ب) یا اس سے مراد صحابہ کرامؓ سمیت قیامت تک آنے والے تمام وہ مسلمان ہیں، جو ایمان لا کر سابقین اولین کے طریقے پر چلیں اور ان کی پیروی کریں۔
تفصیلی اقوال کے لیے مذکورہ آیت کے تحت ملاحظہ فرمائیں:

التفسیر الکبیر (۱۳۷/۱۶)، روح المعانی (۹/۶)، فتح القدیر (۵/۸، ۵/۷، ۵/۸)، زاد المسیر (۳/۳۷۰، ۳/۳۷۱)، الصاوی علی الجلالین (۲/۶۷)، تفسیر جلالین، تفسیر سمرقندی، تفسیر المنار، تفسیر أبی السعود، الكشف والبيان المعروف به ”تفسیر ثعلبی“، الجامع لاحکام القرآن للامام القرطبی، تفسیر عثمانی، بیان القرآن، معارف القرآن للکاندھلوی، مجموع الفتاوی لابن تیمیہ رحمۃ اللہ (۴/۲۳۵ - ۴/۲۴۹)

علاوہ ازیں ”رضی اللہ عنہم“ کا پروانہ مذکورہ آیت کے علاوہ قرآن کریم میں چار اور مقامات پر بھی ہے:
ایک سورۃ الفتح آیت نمبر ۱۸ ہے، جس میں یہ خوشنودی ”اہل بیعت رضوان“ کے لیے ہے۔
(ڈاکٹر صاحب کہیں گے کہ حضرت معاویہؓ ان میں سے نہیں، ٹھیک ہے، ہمیں بھی اس پر اصرار نہیں۔)
لیکن یہی خوشنودی سورۃ المائدہ آیت نمبر ۱۱۹، سورۃ المجادلہ آیت نمبر ۲۲، اور سورۃ البینہ آیت نمبر ۸ میں بھی مذکور ہے، جو تمام صحابہ کرام کے لیے عام ہے۔ اب ہم ”ڈاکٹر صاحب“ کا مبلغِ علم دیکھتے ہیں کہ مذکورہ آیت کی تفسیر میں وہ کون سی نئی اور ”انوکھی تحقیق“ پیش کر کے ان تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کو اس خوشنودی کے زمرے سے خارج قرار دیتے ہیں، جو فتح مکہ کے بعد اسلام لائے۔

دوسرے اعتراض کا جواب:

دوسرا اعتراض یہ تھا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے لیے دیگر خطوط و معاہدات کی کتابت تو کیا کرتے تھے، البتہ ”کاتبِ وحی“ نہیں تھے۔

یہاں بھی ”ڈاکٹر صاحب“ نے کسی بھی معتبر یا غیر معتبر قدیم یا جدید مؤرخ و محدث کے حوالے سے کوئی ایک حوالہ بھی ایسا پیش نہیں کیا، جس میں کتابتِ وحی کی نفی ہو، خواہ صراحت یا دلالت یا کنایت یا اشارۃ، البتہ ایسی عبارات ضرور ذکر کی ہیں، جو اس حوالے سے مجمل تھیں، جن میں نفسِ کتابت کا تذکرہ تھا، البتہ کتابتِ وحی کی نفی یا اثبات سے وہ عبارات ساکت تھیں۔

”ڈاکٹر صاحب“ نے سارا زور الفاظ و تعبیرات پر صرف کیا ہے، مثلاً:

”قدیم ترین مؤرخ المدائنی (وفات ۲۰۵ھ)“ اور ”امام ذہبیؒ جو انتہائی ثقہ محدث اور وسیع الاطلاع قدیم

مؤرخ ہیں (وفات ۷۸ھ) وغیرہ۔

ہم ”غیر جانبدارانہ“ انداز میں اس سے متعلق تمام عبارات کا مفہوم یہاں اختصار سے پیش کریں گے، چنانچہ کتابتِ وحی سے متعلق دو طرح کی عبارات ہیں:

پہلی قسم کی وہ عبارتیں ہیں جو مجمل ہیں، جن میں اثباتِ وحی کا ذکر نہیں، البتہ نفسِ کتابت کا ذکر ہے، جو کتابتِ وحی وغیرہ دونوں کو محتمل و شامل ہیں، جن کا حاصل یہ ہے کہ:

(الف) آپ ﷺ کے جملہ کاتبین میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بھی ہیں۔

(ب) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ خطوط و معاہدات و دیگر امور کی کتابت کیا کرتے تھے۔

(ج) کتابتِ وحی کے بارے میں مذکورہ تمام عبارات مجمل ہیں۔

حوالہ جات کے لیے ملاحظہ فرمائیں:

الإصابة (۴۳۳/۳)، فتح الباری (۱۰۴/۷)، مجمع الزوائد (۳۵۷/۹)، زاد المعاد (۱۱۷/۱)، سیر الأعلام النبلاء (۱۲۰/۳)، تاریخ الاسلام الذہبی (۳۴۲/۲)، الکامل فی التاریخ (۱۷۹/۲)، تاریخ بغداد (۲۲۲/۱)، الاستیعاب (۳۵۹/۳)، تاریخ الطبری (۲/۱۸)، مسند أحمد (۸۴۴، ۴۷۹/۱) اور الطبقات الکبریٰ (۴۰۶/۷) دوسری قسم کی وہ عبارات ہیں، جن میں کتابتِ وحی کی تصریح ہے۔

آٹھویں صدی ہجری کے امام ذہبیؒ کا حوالہ:

چنانچہ آٹھویں صدی ہجری کے ”انتہائی ثقہ محدث اور وسیع الاطلاع قدیم مؤرخ“ امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ (وفات ۷۸ھ) اپنی مشہور کتاب ”تاریخ الاسلام“ میں اس عبارت سے بالکل متصل جو ”ڈاکٹر صاحب“ نے اپنے مضمون میں نقل کی ہے، کہتے ہیں:

وقد صح عن ابن عباس، قال: كنت ألعب، فدعاني رسول الله ﷺ وقال: ”أدع لي معاوية“ وكان يكتب الوحي“.

کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے صحت کے ساتھ یہ ثابت ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ میں کھیل رہا تھا تو رسول اللہ ﷺ نے مجھے بلایا اور فرمایا کہ جاؤ معاویہؓ کو بلاؤ، حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ معاویہؓ آپ ﷺ کے لیے وحی کتابت کیا کرتے تھے۔ [۳۴۲/۲]

یہی روایت امام ذہبیؒ نے اپنی دوسری کتاب ”سیر الأعلام“ میں ”ڈاکٹر صاحب“ کی نقل کردہ عبارت سے دوسرے بعد ذکر کی ہے۔ پھر امام ذہبیؒ نے مذکورہ روایت نقل کر کے اس کا حوالہ دیتے ہوئے فرمایا:

”رواه أحمد في مسنده“

اور امام احمدؒ نے اپنی مسند میں یہ روایت چار مقامات پر ذکر کی ہے۔ (حدیث: ۲۱۵۰، ۲۶۵۱، ۳۱۰۴، اور

(۳۱۳۱) جن میں دو مقامات پر ابن عباس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے، ”وكان كتابه“.

حافظ ذہبیؒ کی تصریح سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ مسند احمد میں کتابت سے ”کتابت وحی“ مراد ہے، اس لیے کہ روایت ایک ہی ہے۔

نیز اس کی تائید پانچویں صدی ہجری کے مشہور محدث امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ المتوفی: ۴۵۸ھ سے بھی ہوتی ہے کہ انہوں نے بھی اسی روایت کو اپنی سند کے ساتھ ذکر کیا ہے، جس میں یہ صراحت ہے:

”وكان يكتب الوحي“. (دلائل النبوة: ۶/۲۴۳)

قارئین یقیناً ”ڈاکٹر صاحب“ کی اس ”دیانت“ پر انہیں داد دینا چاہیں گے کہ کتنی جرأت کے ساتھ انہوں نے کہا کہ ”حافظ ذہبیؒ نے کہیں بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی کتابت وحی کا ذکر نہیں کیا۔“ حالانکہ ہم نے امام ذہبیؒ کی دونوں کتابوں سے دکھایا کہ انہوں نے بڑی صراحت کے ساتھ کتابت وحی کا اثبات کیا ہے، اگر فاضل موصوف کو اس پر اعتماد نہیں تھا، تو تب بھی دیانت ان کی یہ ذمہ داری بنتی تھی کہ وہ اس کو ذکر کرتے، پھر اصولی و فنی اعتبار سے اس پر نقد و جرح کر کے اس کی تضعیف و تردید (اگر ہوتی، تو) کرتے۔

اگر یہ کہا جائے کہ ”ڈاکٹر صاحب“ مذکورہ عبارت پر نظر نہیں پڑی تو

اولاً: یہ عرض ہے کہ وہ عبارت تو آنجناب کی ذکر کردہ عبارت سے بالکل متصل ہے۔

ثانیاً: پھر اس سے ”ڈاکٹر صاحب“ کی پوری تحریر مشکوک ٹھہرا دی جائے گی کہ انہوں نے سیاق و سباق اور بحث کی پوری تفصیل سے صرف نظر کرتے ہوئے ”جانبدارانہ“ انداز میں صرف اپنے مطلب کی بات لی ہے، بہر کیف! واقعہ جو بھی ہے ڈاکٹر صاحب نے یہاں ”زبردست علمی خیانت“ کا ارتکاب کیا ہے، جس کی مناسب و معقول توجیہ کرنا خود انہی کے ذمہ ہے، ”ہم عرض کریں گے، تو شکایت ہوگی۔“

نویں صدی ہجری کے نامور محدث شیخ الاسلام حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ:

امام ذہبیؒ کے بعد نویں صدی ہجری کے نامور محدث شیخ الاسلام حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ (وفات:

۸۵۲ھ) نے بھی ”تقریب التہذیب“ میں یہ تصریح کی ہے:

”معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ صخر بن حرب بن أمیہ الأموي، أبو عبد الرحمن، الخليفة، صحابي، أسلم قبل الفتح وكتب الوحي“.

کہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہما ایک صحابی اور خلیفہ ہیں، فتح مکہ سے قبل مشرف باسلام ہوئے اور کتابت وحی کے فرائض انجام دیئے ہیں۔

حافظ ابن حجر کے بارے میں ڈاکٹر صاحب خود فرما چکے تھے: ”وہ ابن کثیر سے زیادہ وسیع العلم اور حافظ حدیث و مؤرخ ہیں“ اس لیے حافظ صاحب رحمہ اللہ کا مذکورہ حوالہ دیکھنے کے بعد وہ اپنے ہوش و حواس کھو

بیٹھے اور بوکھلاہٹ کا شکار ہو کر مذکورہ حوالے کا بڑی صراحت و جرأت کے ساتھ انکار ہی کر دیا، فرماتے ہیں:

”مضمون نگار (مولانا اورنگزیب صاحب) نے یہ غلط لکھا ہے کہ ”شیخ الاسلام حافظ ابن حجر کہتے ہیں کہ معاویہ بن ابی سفیان ایک صحابی اور خلیفہ راشد ہیں، فتح مکہ سے قبل مشرف باسلام ہوئے، یہ نہ ان کی بڑی کتاب ”الإصابة في تميز الصحابة“ میں ہے اور نہ چھوٹی مختصر کتاب ”تقريب التهذيب“ میں ہے، مضمون نگار (مولانا اورنگزیب صاحب) کا حوالہ غلط ہے۔“

خدا گواہ ہے کہ ”ڈاکٹر صاحب“ کی اس تحقیق کو ”صریح جھوٹ“ تحریر کرتے ہوئے، ان کا مقام و منصب ملحوظ خاطر رکھ کر دل اجازت نہیں دیتا، نہ ہی قلم ساتھ دیتا ہے، مگر اس کی توجیہ کریں تو پھر کیا کریں؟

حافظ ابن حجر کی وہ بات جو ”الإصابة“ اور ”فتح الباری“ میں مجمل تھی، یہاں ”التقريب“ میں اس کی وضاحت بھی ہو گئی، جس سے معلوم ہوا کہ ”الإصابة“ اور ”فتح الباری“ کی مجمل عبارت سے ڈاکٹر صاحب کا نفی کتابت وحی پر استدلال کرنا سراسر غلط ہے، یہاں ڈاکٹر صاحب نے ”الإصابة“ اور ”فتح الباری“ کی عبارت نقل کر کے آخر میں کہا کہ:

”انہوں نے یہ قطعاً نہیں لکھا ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے وحی کی کتابت کی“ اس طرح ابن حجر کا بیان ”الإصابة“ اور ”فتح الباری“ دونوں میں یکساں ہے، یعنی صرف ”کتابت“ کا ذکر ہے، کتابت وحی کا ذکر سرے سے نہیں۔“

ڈاکٹر صاحب سے کوئی پوچھے کہ اگر حافظ ابن حجر نے ”قطعاً نہیں لکھا“ اور ”کتابت وحی کا ذکر سرے سے نہیں کیا“، تو پھر ”التقريب“ میں کس نے لکھا؟ اور یہ کہ ”التقريب“ کس کی تصنیف ہے؟ ہمارا خیال ہے کہ اسے بھی بلا تبصرہ قارئین کی خدمت میں چھوڑ دینا ہی بہتر ہوگا۔

یہاں یہ بات بھی قارئین پر خوب واضح ہونی چاہیے کہ مذکورہ بالا دونوں حوالے ان قدیم ”انتہائی ثقہ، وسیع الاطلاع، حافظ حدیث و مؤرخ“ کے ہیں، جن سے ڈاکٹر صاحب نے اپنی پوری تحریر میں جا بجا تائید حاصل کی ہے، جب کہ ان دونوں بزرگوں کا موقف اس کے بالکل برخلاف ہے جسے ڈاکٹر صاحب نے دانستہ یا نادانستہ طور پر ان کی طرف منسوب کیا ہے۔

آٹھویں صدی ہجری کے مایہ ناز مفسر، محدث اور مؤرخ حافظ ابن کثیر دمشقی رحمہ اللہ کا حوالہ:

اسی طرح آٹھویں صدی ہجری کے مایہ ناز مفسر، محدث اور مؤرخ حافظ ابن کثیر دمشقی رحمہ اللہ (وفات: ۷۷۴ھ) نے بھی ”البدایہ والنہایہ“ میں کتابت وحی کی تصریح اور وضاحت سے اثبات کیا ہے، فرماتے ہیں:

”وکاتب وحی رب العالمین“ (۲۲/۸)

ڈاکٹر صاحب سے اس کا جواب نہ بن سکا تو یہ کہہ کر چل دیئے:

”افسوس کی بات ہے کہ حافظ ابن کثیرؒ بھی اس رو میں بہہ گئے ہیں۔“

اس پر تبصرہ کے حقوق بھی اہل علم کے لیے محفوظ ہیں۔

پانچویں صدی ہجری کے مشہور فقیہ اور محدث علامہ ابن حزم اندلسی رحمہ اللہ کا حوالہ:

پانچویں صدی ہجری کے مشہور فقیہ، اصولی اور محدث علامہ ابن حزم اندلسی رحمہ اللہ (وفات: ۴۵۶ھ)

آپ ﷺ کے کاتبین کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”علي بن أبي طالب و عثمان و عمرو أبو بكر و معاوية بن أبي سفيان، و كان زيد بن ثابت من ألزم الناس لذلك، ثم تلاه معاوية بعد الفتح، فكانا ملازمين للكتابة بين يديه ﷺ الوحي وغير ذلك، لا عمل لهما غير ذلك“. (جوامع السيرة: ص: ۲۷، دار المعارف)

مذکورہ عبارت کا حاصل یہ ہے کہ:

(الف)..... دیگر کاتبین کی طرح حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے بھی کتابتِ وحی کے فرائض انجام دیئے

ہیں۔

(ب)..... یہ دونوں حضرات (زيد بن ثابت اور معاویہ رضی اللہ عنہما) ہر وقت آپ ﷺ کی خدمت میں

کتابت کے لیے حاضر رہا کرتے تھے۔

(ج)..... ان دونوں حضرات نے وحی اور غیر وحی دونوں کی کتابت کی ہے۔

(د)..... ان دونوں حضرات کا وحی و غیر وحی کی کتابت کے علاوہ دوسرا کام نہ تھا۔

یہی بات علی بن برہان الدین، علامہ حلبیؒ نے سیرت کی مشہور کتاب ”السيرة الحلبية“ میں ذکر کی

ہے۔ (۳۲/۳)

یہ عبارت مکمل مع مفہوم کے ذکر کرنے کی ضرورت اس لیے پیش آئی کہ ”ڈاکٹر صاحب“ نے مولانا

اورنگزیب ”مظلوم“ کو اس عبارت کے حوالے سے ”قطع و برید و اضافے“ کا بے بنیاد اور غلط الزام دیا ہے،

ورنہ مولانا نے اپنی تحریر میں وہی بات ذکر کی ہے، جو ہم ابھی اصل مراجع سے ذکر کر آئے ہیں۔

تیسری صدی ہجری کے مشہور لغوی مفسر اور محدث امام ابو بکر الخلال رحمہ اللہ کا حوالہ:

تیسری صدی ہجری کے مشہور لغوی مفسر اور محدث امام ابو بکر الخلال رحمہ اللہ (متوفی: ۳۱۱ھ) نے اپنی سند سے

نقل کیا ہے کہ ابوالحارث کہتے ہیں:

”ہم نے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے اس شخص کے بارے میں دریافت کیا، جو حضرت معاویہ رضی

اللہ عنہ کو ”کاتبِ وحی“ اور ”خال المؤمنین“ نہ کہتا ہو، تو انہوں نے فرمایا ”یہ بُری اور بے کار (بلا سند) بات

ہے، ایسی بات کرنے والوں سے دور رہا جائے گا، ان کی ہم نشینی اختیار نہیں کی جائے گی، اور ہم ان کا حکم لوگوں کو بتائیں گے۔“ [السنة: ۴۳۴/۲]

کتاب کے محقق دکتور عطیہ الزهرانی نے اسناد کی توثیق اور متن کی تائید میں لکھا کہ:
”اس کی اسناد صحیح ہے اور اس میں کسی بھی قسم کے شک کی کوئی گنجائش نہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ایک جلیل القدر صحابی، کاتب وحی اور ام المؤمنین ام حبیبہؓ کے بھائی ہیں۔“

اگر یہی بات ہم کہہ دیں کہ ”ڈاکٹر صاحب“ کی بات بُری، بیکار، بلا سند اور ردی میں پھینکنے کے قابل ہے اور ایسے لوگوں سے دور رہنا چاہیے، تو شاید ”ڈاکٹر صاحب“ اس کی تاب نہ لا کر آپے سے باہر ہو جائیں، مگر الحمد للہ یہ بات اللہ تعالیٰ نے ابتدائے تیسری ہجری کے ایک ایسے امام مجتہد اور محدث سے کہلوائی ہوئی ہے، جن کی جلالتِ شان بلا استثناء تمام مسلمانوں کے علاوہ خود ”ڈاکٹر صاحب“ کو بھی مسلم ہے۔

ان مذکورہ حوالوں کے بعد طوالت کے خوف سے مزید عبارات ذکر کرنے اور ان پر تجزیہ کرنے کے بجائے صرف حوالہ جات پراکتفا کیا جاتا ہے۔

مذکورہ بالا جلیل القدر قدیم محدثین و مؤرخین کے علاوہ

آٹھویں صدی ہجری کے مؤرخ و ادیب علی بن محمد خزاعی رحمہ اللہ علیہ (متوفی: ۷۸۹ھ) نے ”تخریج الدلالات الشرعية“ (ص: ۶۳) میں

آٹھویں صدی ہجری کے مایہ ناز متکلم، فقیہ اور محدث شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ علیہ (وفات: ۷۲۸ھ) نے ”مجموع الفتاویٰ“ (۲۴۵/۴) میں،

ساتویں صدی ہجری کے مشہور مفسر و فقیہ امام قرطبی رحمہ اللہ علیہ (وفات: ۶۷۱ھ) نے ”الجامع للأحكام القرآن“ میں،

چھٹی صدی ہجری کے مشہور فقیہ و محدث ابن العربی مالکی رحمہ اللہ علیہ (وفات: ۵۴۳ھ) نے ”أحكام القرآن“ میں،

پانچویں صدی ہجری کے مشہور مؤرخ و مفسر قاضی محمد بن سلامۃ قضاوی رحمہ اللہ علیہ (وفات: ۴۶۲ھ) نے ”الأنباء بأبناء الأنبياء وتواريخ الخلفاء وولايات الأمراء“ (ص: ۱۴۱) میں،

تیسری صدی ہجری کے اواخر اور چوتھی صدی کے ربيع اول کے مشہور فقیہ و ادیب ابن عبد ربہ اندلسی رحمہ اللہ علیہ (وفات: ۳۲۸ھ) نے اپنی عربی ادب کی مشہور کتاب ”العقد الفريد“ (۸/۵) میں،

ابن حجر بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے ”تطهير الحنن واللسان“ (ص: ۳۸/۳۹) میں

مرکز الاسانید، امام الہند شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے ”إزالة الخفاء“ (۱/۴۷۲) میں، ماضی قریب کے فن رجال کے ماہر مشہور محدث عبدالحی کتانی رحمۃ اللہ علیہ نے ”التراویب الإدارية“ (۱۵۱/۱) میں،

دکتور اکرم ضیاء العری رحمۃ اللہ علیہ نے ”عصر الخلافة الراشدة“ میں شیخ عبدالعظیم الزرقانی رحمۃ اللہ علیہ نے ”مناهل العرفان في علوم القرآن“ (ص: ۲۳۹) میں، مولانا ابوالحسن الاعظمی نے ”کاتمینی وجی“ (ص: ۱۳) میں دکتور علاء مکر نے ”عقيدة أهل السنة والجماعة“ (۱/۹۴) میں اور مفکر اسلام مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ نے ”علوم القرآن“ (ص: ۱۷۹) میں حضرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے کتابتِ وحی کا اثبات کیا ہے۔

یہ ناقابل تردید صحیح، صریح اور واضح باتیں حوالہ جات ہیں جو ہم نے ماضی قریب کے علاوہ آٹھویں صدی سے لیکر اوائل تیسری صدی ہجری کے قدیم ترین مؤرخین، محدثین، فقہاء اور جلیل القدر ائمہ کرام رحمہم اللہ کے حوالے سے ذکر کیے ہیں، جن سے یہ بات بخوبی ثابت ہوئی کہ حضرت امیر معاویہؓ نہ صرف یہ کہ کاتبِ وحی تھے، بلکہ انہوں نے اسلام قبول کرنے کے بعد بڑے لزوم، موافقت اور انتہائی ذمہ داری کے ساتھ اس فریضہ کو انجام دیا اور ہمیشہ اس خدمت کی انجام دہی کی فکر میں رہے۔ اور آپ ﷺ کو بھی ان کی دیانت و امانت پر کامل اعتماد تھا۔

علاوہ ازیں وہ ”یار لوگ“ جو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو ”مسلمان“ بھی سمجھنے کو تیار نہیں، بلکہ اس سے بھی بڑھ کر حضرات خلفاء ثلاثہ، امہات المؤمنین اور دیگر جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تکفیر اور ان پر لعن و طعن کو اپنے ایمان کا حصہ قرار دیتے ہیں، وہ بھی اس حقیقت کا انکار نہیں کر سکے، چنانچہ شیعوں کے مشہور ترین اور قدیم ثقہ مؤرخ احمد بن ابی یعقوب (وفات: ۲۵۷ھ) الکاتب العباسی نے ”تاریخ یعقوبی“ (۱/۴۰۱، ۴۰۲) میں اس بات کا برملا اعتراف کیا ہے کہ:

”حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کاتبِ وحی تھے۔“

شیخ محبت الدین الخطیب نے ”العواصم من القواصم“ کی تعلیق میں وضاحت کی ہے کہ:

حضرات صحابہ کرامؓ اور بالخصوص بنو امیہ سے بغض و کینہ رکھنے والوں سے جب اس بات کا انکار نہ ہو سکا کہ آپ ﷺ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو کتابت پر مامور کیا تھا، تو انہوں نے یہ فرق اپنی طرف سے گھڑ لیا کہ انہوں نے خطوط و معاہدات کی کتابت کی ہے، نہ کہ وحی کی، یہ فرق ان کی ذہنی اختراع، جبٹ باطن کا نتیجہ اور شیطانی القاء ہے، اس پر ان کے پاس کوئی بھی مستند دلیل نہیں، اگر یہ تفریق آپ ﷺ کی طرف سے

ہوتی، تو ناقلین اسے تواتر کے ساتھ ذکر کرتے، جیسا کہ دیگر امور میں اس طرح ہوا ہے۔ [۵۹/۵۸]
ایک مسلمہ اصول ہے کہ جو چیز عقلاً ممکن ہو، اگر اس کے اثبات میں کوئی دلیل نقلی صحیح آجائے تو اس کے اثبات کا قائل ہونا واجب اور ضروری ہے۔ [الانتباہات المفیدۃ: ۵۷]

اور حضرت معاویہؓ کا کاتب وحی ہونا ”ڈاکٹر صاحب“ کے ہاں بھی عقلاً ممکن ہے اور اثبات پر ہم نا قابل تردید ٹھوس دلائل پیش کر چکے، جبکہ نفی پر ”ڈاکٹر صاحب“ کے پاس کوئی دلیل نہیں، لہذا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو ”کاتب وحی“ قرار دینا واجب اور لازم ہے۔

رہی بات ڈاکٹر مصطفیٰ الاعظمی کا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو کاتبین وحی میں ذکر نہ کرنے کی، سو ”عدم ذکر الشیء لا يستلزم عدم وجودہ“ یہ ایک مسلمہ اصول ہے، ہاں ”ذکر عدم الشیء“ اور چیز ہے جس کا اثبات ”ڈاکٹر صاحب“ نہ کر سکے۔

اس کے علاوہ ”ڈاکٹر صاحب“ نے آخر میں ایک عقلی دلیل یہ دی کہ:

”حضرت معاویہؓ ظہور اسلام کے اکیس سال بعد اسلام لائے اور ان اکیس برسوں میں بہت زیادہ قرآن لکھا جا چکا تھا، یہ کون لکھتا رہا؟ آخر کے دو برسوں میں تو بہت کم قرآن لکھا گیا۔“

”ڈاکٹر صاحب“ کا یہ ”واویلا“ اس وقت کار آمد ہوگا، جب مولانا اور نگزیب ”فقیر“ نے یہ دعویٰ کیا ہوتا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے پورے یا اکثر قرآن کی کتابت کی ہے، جب کہ ان کا مدعا تو یہ ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کاتب وحی تھے، بس! ڈاکٹر صاحب اس بات سے تو بخوبی واقف ہوں گے ہی کہ سالبہ جزئیہ موجب کلیہ کی نقیض بنتی ہے، جب کہ موجبہ جزئیہ کی تردید سالبہ جزئیہ سے نہیں ہوتی۔ اب اصولی طور پر ”ڈاکٹر صاحب“ کا مدعا دو باتوں میں سے کسی ایک کے ثبوت سے ثابت ہوگا:

☆..... یا تو ڈاکٹر صاحب یہ ثابت کریں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کے بعد کوئی وحی نازل نہیں ہوئی۔

☆..... یا وحی تو نازل ہوئی مگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس کی کتابت نہیں کی۔

ڈاکٹر صاحب قیامت تک ان میں سے کوئی بھی ایک بات ثابت نہیں کر سکتے، اور اس کے بغیر صفحات کے ساتھ اپنا ”نامہ اعمال“ بھی سیاہ کرنے سے کچھ حاصل نہیں ہو سکتا۔

اس سلسلے میں ”ڈاکٹر صاحب“ کی آخری دلیل جو ان کے زعم میں بہت مضبوط ہے (جبکہ حقیقت میں اس کی حیثیت تاریک بکوت سے بھی زیادہ نہیں، جو صرف ”ڈوبتے کو تنکے کا سہارا“ کے مترادف ہے) وہ یہ کہ:

”حضرت ابوبکر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کے عہد میں ”جمع قرآن“ کی خدمت انجام دینے والے

حضرت زید بن ثابت، عبداللہ بن زبیر، سعید بن ابی العاص اور عبدالرحمن بن الحارث بن ہشام رضی اللہ عنہم ہیں، اگر حضرت معاویہؓ بھی کاتب وحی ہوتے، تو وہ بھی اس مہم میں شریک ہوتے۔“

عوامی سطح کے لحاظ سے تو یہ یقیناً مضبوط دلیل ہوگی، جب کہ علمی و تحقیقی نقطہ نظر سے یہ نہ صرف یہ کہ کمزور دلیل ہے، بلکہ اس سے استدلال کرنا بھی انتہائی مضحکہ خیز بات ہے، جس کی وضاحت یہ ہے کہ ”ڈاکٹر صاحب“ نے یہاں ”تلمیس ابلیس“ اور ”خلط بحث“ کا ارتکاب کیا ہے کہ ہماری بحث تو ”کتابت وحی“ کے اثبات اور نفی سے ہے اور استدلال جس واقعہ سے کیا جا رہا ہے اس کا تعلق ”جمع قرآن“ سے ہے۔

ہمیں حیرت ہے کہ ”عربی زبان اور دیگر علوم پر اتھارٹی کا درجہ رکھنے والے“ ”ڈاکٹر صاحب اتنی موٹی بات بھی سمجھنے سے قاصر ہیں!!!!..... کہاں کی بات کہاں سے جوڑ رہے ہیں!!

اگر جمع قرآن کی مہم میں عدم شرکت دلیل ہے، عدم کتابت وحی پر، تو پھر ”ڈاکٹر صاحب“ سے مؤدبانہ التماس ہے کہ وہ تھوڑی سی مزید جرأت کر کے حضرت علی، عثمان، ابوبکر، عمر، ابی بن کعب، حنظلہ بن الربیع، جابر بن سعید بن العاص، خالد بن سعید، ابان بن سعید، العلاء بن الحضرمی، عبداللہ بن سعد بن ابی السرح، زبیر بن العوام، معقیب بن ابی فاطمہ، عبداللہ بن الارقم الزہری، شریح بن الحسین اور عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کو بھی بیک جنبش قلم ”کاتبین وحی“ کی فہرست سے خارج فرمادیں، اس لیے کہ یہ تمام حضرات بھی اس مہم میں شریک نہیں تھے، جبکہ قدیم ترین محدثین و مؤرخین نے ان تمام اصحاب کو ”کاتبین وحی“ میں شمار کیا ہے۔

چوتھے اعتراض کا جواب:

چوتھا اعتراض یہ تھا کہ:

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ”اول الملوک“ (اسلام کے پہلے بادشاہ) تھے، خلیفہ نہیں تھے، استدلال حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہے کہ ”خلافت میرے بعد تیس سال رہے گی، پھر بادشاہت ہوگی۔“ یہاں بھی ڈاکٹر صاحب نے انتہائی ”جانبداری“ کا مظاہرہ کر کے خلافت کے موضوع پر اپنی پسند کی ایک روایت ذکر کر لی اور اس کے مقابل دیگر بہت سی صحیح احادیث چھوڑ دیں، جن میں سے چند ہم ذکر کرتے ہیں تاکہ مسئلہ کے دوسرے پہلو پر بھی ”غیر جانبدارانہ“ اور تحقیقی طور پر غور کیا جاسکے۔

(۱) بخاری و مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ:

آپ ﷺ نے فرمایا: ”بنی اسرائیل میں ان کے امور کے متولی انبیاء علیہم السلام ہوتے تھے، جب ایک نبی فوت ہو جاتا دوسرا آجاتا اور یقیناً میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا، البتہ خلفاء ہوں گے اور کثرت سے ہوں

سماک بن حرب، جابر بن سمرۃ، اور ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ:

”دین اسلام بارہ خلفاء“ تک غالب رہے گا اور یہ تمام قریش سے ہوں گے۔ [دیکھیے: مسلم، رقم الحدیث:

۴۷۰۸، ۴۷۰۹..... و..... مجمع الزوائد: ۱۹۰/۵..... و..... مسند احمد: ۸۲/۲]

ان دونوں قسم کی احادیث میں ظاہری تعارض کو رفع کرنے کے لیے کبار علماء محدثین نے تطبیق کی راہ اختیار کی ہے، چنانچہ حافظ ابن حجرؒ نے ”فتح الباری“ (۲۶۲/۱۳)، محقق عینی نے ”عمدة القاری“ (۲۳/۲۱۹)، علامہ شمس الحق عظیم آبادی نے ”عون المعبود“ (۳۹۸/۱۲)، علامہ تفتازانی نے ”شرح العقائد“ (ص: ۳۰۹) اور علامہ احمد بن اسماعیل کورانی نے ”الکوثر الجاری“ (۱۱۰/۴) میں جو تطبیق بیان کی ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ حدیث سفینہ میں ”خلافت نبوت اور خلافت کاملہ“ مراد ہے، جبکہ جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ و دیگر کی حدیث میں ”مطلق خلافت“ مراد ہے، جو ”خلافت علی منہاج النبوة“ سے کم درجے کی ہے، لیکن وہ بھی ”خلافت“ ہی کا فرد ہے، اب تعارض باقی نہ رہا، اس لیے کہ خلافت کاملہ انحصار ہے، جس کی نفی سے اعم (مطلق خلافت) کی نفی لازم نہیں آتی۔

ہمارا دعویٰ ”مطلق خلافت“ کا ہے، جو ”امارت“، ”ولایت“ اور ”ملک“ کے منافی نہیں، ایک شخص ”والی“، ”ملک“ اور ”خليفة“ ہو سکتا ہے، لہذا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا خود کو ”اول الملوک“ کہنا، ابن حزم کا ان کے عہد حکومت کو ”ولایت“ سے تعبیر کرنا، امام ذہبی کا ان کو ”خیر الملوک“ کہنا اور ان کا شان و شوکت کے ساتھ رہنا ”خلافت“ کے منافی نہیں، ان میں سے کسی بات سے بھی ڈاکٹر صاحب کا مدعا ثابت نہیں ہوتا، اس کے لیے ڈاکٹر صاحب کو پہلے ”مطلق خلافت“ اور ”ولایت و امارت“ میں منافات ثابت کرنا ہوگا، صرف الفاظ و تعبیرات کے زور سے بات نہیں بنتی۔

ڈاکٹر صاحب نے لکھا کہ:

”بیالیس صفحات میں ان کے حالات لکھنے کے بعد ذہبی کا آخری فیصلہ ہے۔“

آگے لکھتے ہیں:

”ملاحظہ رہے کہ امام ذہبی نے انہیں خلیفہ نہیں، ”خیر الملوک“ کہا ہے۔“

ان دونوں عبارات کا حقیقت سے کوئی مجازی تعلق بھی نہیں، یہ صرف الفاظ کی بازی گری ہے، اس لیے کہ امام ذہبی نے نہ تو خلافت و ولایت کے موضوع پر بحث کر کے ولایت کو ترجیحاً ذکر کیا ہے، نہ ہی اس موضوع پر مؤرخین کا اختلاف ذکر کر کے ان کے مابین محاکمہ کیا ہے اور نہ ہی ”ولایت“ کا اثبات کر کے ”خلافت“ کی

نفی کی ہے کہ اسے ان کا ”فیصلہ“ قرار دیا جائے۔

اور یہ تاثر بھی حقیقت کے بالکل برعکس ہے کہ انہوں نے ”ملک“ کا اثبات اور خلافت کی نفی کی ہے، حقیقت یہ ہے کہ امام ذہبیؒ نے جابجا اور دیگر مؤرخین نے بھی ان کے عہد حکومت پر ”خلافت“ کا اطلاق کیا ہے، جس سے ہمارا یہ مدعا واضح ہو جاتا ہے کہ ان تمام مؤرخین کے نزدیک ”مطلق خلافت“ اور ”ولایت و امارت“ میں کوئی منافات نہیں۔ ہم ذیل چند عبارات مختصر اُذکر کرتے ہیں:

امام ذہبیؒ نے ”سیر الأعلام“ میں لکھا:

”بايعه أهل الشام بالخلافة“ (۱۳۷/۳)

اس کے چھ صفحات بعد لکھتے ہیں:

”وأقبلو بعد بيعة معاوية بالخلافة“ (۱۴۳/۳)

اس کے تین صفحات بعد لکھتے ہیں:

”وتسلم معاوية الخلافة في آخر ربيع الآخر“ (۱۴۶/۳)

اسی کے ایک سطر بعد لکھتے ہیں:

”وقال ابن اسحاق: ”يبيع معاوية بالخلافة“ (۱۴۶/۳)

بلکہ امام ذہبیؒ کا جو ”حقیقی فیصلہ“ ہے، جو انہوں نے ”قلْتُ“ کے ساتھ ذکر کیا ہے، اس میں بھی ”خلافت“ کا ذکر ہے، جو ایک طویل اقتباس ہے، جسے امام ذہبیؒ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی مدح و منقبت میں ذکر کیا ہے، لیکن ڈاکٹر صاحب نے اس میں قطع و برید کر کے اس سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر طعن کیا ہے۔ ونصہ:

”قلْتُ“ حسبك بمن يؤمره عمر..... عمل نيابة الشام عشرين سنة، والخلافة عشرين سنة“ (۱۲۳/۳، ۱۳۳)

خلافت کے اثبات کے لیے مزید دیکھیے: ”تقريب التهذيب“ (ص: ۵۳۷)، ”الطبقات الكبرى“ (۴۰۶/۷)، ”تهذيب التهذيب“ (۲۰۷/۱۰)، ”تهذيب الكمال“ (۱۷۹/۲۸)، ”الإصابة“ (۴۳۳/۳)، ”الاستيعاب“ (۳۹۸/۳)، ”تاريخ بغداد“ (۲۲۲/۱، ۲۲۲) اور ”الکامل في التاريخ“ (۳۷۴، ۳۷۲/۳)۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں: ”وأما إسلام معاوية وولايته على المسلمين والإمارة والخلافة، فأمر يعرفه جماهير الخلق“۔ [مجموع الفتاوى، ۴/۲۲۷]

ابن تیمیہؒ کے اس آخری حوالے سے نہ صرف حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت ثابت ہوتی ہے بلکہ اس سے یہ بات بھی بخوبی واضح ہو جاتی ہے کہ ”ولایت“، ”امارت“ اور ”خلافت“ میں کوئی منافات نہیں۔

آٹھویں صدی ہجری کے عظیم مؤرخ ابن خلدون (وفات: ۸۰۸ھ) کے تجزیہ کا حاصل یہ ہے کہ:

”حق یہی ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ خلفاء کی جماعت میں شامل ہیں، البتہ مؤرخین نے ان کا تذکرہ خلفائے سابقین کے تذکرے سے دو جہات کی بناء پر مؤخر رکھا:

ایک یہ کہ انکی خلافت بطریق تغلب وجود میں آئی تھی، جب کہ سابقہ خلفاء کی خلافت اختیاری و اجتماعی طریقے سے آئی تھی،

دوسری وجہ یہ ہے کہ ہم نسب ہونے کی وجہ سے خلفائے بنو امیہ کے ساتھ ان کا تذکرہ کیا گیا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو خلفائے سابقہ کے ساتھ اس لیے رکھا گیا کہ وہ فضیلت میں ان کے قریب تھے۔

ابن خلدون کے اس تاریخی، تحقیقی اور اپنی براعتِ دال تجزیہ کے بعد ”ڈاکٹر صاحب“ کی یہ شکایت بھی دور ہو جاتی ہے کہ ابن حزم نے اپنے رسالے میں تمام اموی حکمرانوں کا تذکرہ ”ولایت“ کے ساتھ کیا ہے اور ان سے سابقین کا تذکرہ ”خلافت“ کے ساتھ۔

پانچویں اعتراض کا جواب:

پانچواں اعتراض اسحاق بن راہویہ کا یہ قول ہے کہ:

”نبی اکرم ﷺ سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں کوئی صحیح حدیث مروی نہیں۔“

علامہ عبد العزیز فرہاروی رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق کے مطابق اس کا جواب یہ ہے کہ اگر ”لا یصح“ سے مراد ”صحیح اصطلاحی“ کی نفی ہو تو یہ بات ہو سکتی ہے، لیکن یہ مفسر نہیں اس لیے کہ ”صحیح اصطلاحی“ احادیث کا تو وجود ہی کم ہے، یہی وجہ ہے کہ عام شرعی احکام اور فضائل ”حدیث حسن“ سے ثابت ہوتے ہیں، یہی ابن راہویہ کی مراد ہے۔ اور اگر یہ مراد لیا جائے کہ کوئی حدیث ثابت ہی نہیں، جیسا کہ ”ڈاکٹر صاحب“ کا مدعا ہے، تو یہ بات بالکل غلط ہے، اس لیے کہ ”حسن“ درجے کی کئی احادیث حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں احادیث کی معتبر کتابوں میں موجود ہیں، جواز روئے اسناد صحیح ہیں، اختصاراً یہاں کچھ ذکر کرتے ہیں:

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں پہلی حدیث:

(۱) مسند احمد کی روایت ہے، ونصہ:

حدثنا علي بن بحر، حدثنا الوليد بن مسلم، حدثنا سعيد بن عبد العزيز عن ربيعة بن يزيد عن عبد الرحمن بن أبي عميرة الأزدي عن النبي ﷺ أنه ذكر معاوية وقال: اللهم اجعله هاديًا مهديًا وأهد به“ (مسند احمد: ۴۲۶/۲۹)

محقق شعیب ارنؤوط سند کی تصحیح اور رجال کی توثیق کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”رجالہ ثقات، رجال الصحیح“.

اس کے علاوہ کئی جلیل القدر محدثین نے مختلف طرق سے اس کی تخریج کی ہے، چنانچہ امام بخاری

نے ”التاریخ الكبير“ (۲۴۰/۵)، (۳۲۷/۷)، امام ترمذی نے اپنی ”جامع“ (۳۸۴۲) ابن ابی عاصم نے ”الاحاد والمثنانی“ (۱۱۲۹)، خطیب بغدادی نے اپنی تاریخ (۲۰۸، ۲۰۷/۱)، امام ابوبکر الخلال نے ”السنة“ (۶۹۹) ابن قانع نے ”معجم الصحابة“ (۱۳۶/۲)، امام طبرانی نے ”الأوسط“ (۶۶۰)، ابو نعیم اصفہانی نے ”حلیۃ الأولیاء“ (۳۵۸/۸)، خطیب ترمیزی نے ”مشکوۃ المصابیح“ (ص: ۵۷۹)، امام ذہبی نے ”تاریخ الإسلام“ (۳۴۲/۲)، حافظ نور الدین بیہقی نے ”مؤلفات الظمان“ (۵۶۶)، ابن سعد نے ”الطبقات الكبرى“ (۱۳۶/۷)، ابو نعیم نے ”أخبار أصفهان“ (۱۸۰/۱)، ابن الاثیر جزیری نے ”أسد الغابة“ (۳۸۶/۳) حافظ ابن کثیر نے ”البدایة والنهاية“ (۱۲۹/۸) ابن عساکر نے ”تاریخ دمشق“ (۶۸۶/۶)، امام نووی نے ”تہذیب الاسماء واللغات“ (۱۰۴، ۱۰۳/۲)، ابن ابی حاتم نے اپنی ”علل“ (۳۶۲/۲)، امام احمد نے ”کتاب فضائل الصحابة“ (۱۴، ۹۱۳/۲) اور ابن حجر بیہقی نے ”تطہیر الجنان“ (ص: ۱۲، ۱۱) میں اس کو ذکر کیا ہے، امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن قرار دیا ہے، ”ڈاکٹر صاحب“ اس ”حسن“ درجے کی حدیث کو ابن الجوزی کے حوالے سے ”موضوع کہہ کر آگے چل دیئے، ہم یہاں ڈاکٹر صاحب کی ”خیانتوں“ اور ”حدیث دانی“ کا جائزہ لیں گے۔

۱۔ ابن الجوزی نے دو طرق سے یہ روایت نقل کی، ایک میں ”محمد بن اسحاق“ اور دوسرے میں ”اسماعیل بن محمد“ پر کلام کر کے اسے رد کر دیا، ہماری روایت میں یہ دونوں راوی نہیں، ایک طریق کا حکم لے کر دوسرے پر چسپاں کرنا خالص ”علمی افتراء“، ”تلبیس ابلیس“ اور ”تحقیق خیانت“ ہے۔

۲۔ ابن الجوزی نے ”لا یصحان“ کہا تھا، جو اعم ہے ”موضوع“ سے، حدیث کا ادنیٰ طالب علم بھی جانتا ہے کہ ہر ”موضوع“ حدیث ”لا یصح“ ہوتی ہے، جب کہ ہر ”لا یصح“ حدیث ”موضوع“ نہیں ہوتی، لہذا اسے ”موضوع“ قرار دے کر اس کی نسبت ابن الجوزی کی طرف کرنا ”زرا بہتان“ اور ”خالص افتراء“ ہے۔

۳۔ علی سبیل التسلیم ”موضوع“ مان لینے سے یہ حکم اسی طریق کا ہوگا، جسے ابن الجوزی نے ذکر کیا ہے باقی پر یہ حکم بوجہ عدم وجود علت نہیں لگے گا۔

۴۔ پھر اس سے زیادہ سے زیادہ مذکورہ طریق ہی ”موضوع“ کہلائے گا، نفس حدیث کا موضوع ہونا پھر بھی کسی صورت ثابت نہیں ہوتا۔

۵۔ ڈاکٹر صاحب کا ”مبلغ علم“ دیکھیے کہ دیگر تمام جلیل القدر محدثین کرام کی تصحیح، تحسین و توثیق کو یکسر نظر انداز کر کے صرف ابن الجوزی کی بات پر (اور اسکی حقیقت بھی ہم واضح کر چکے) اعتماد کر کے ایک صحیح حدیث

کو رد کر دیا۔

(۶) ڈاکٹر صاحب کو ”سیر الأعلام“ کے بیالیس صفحات میں یہ حدیث نظر نہیں آئی!!؟
(۷) امام ذہبیؒ نے اس موضوع پر اکیس ”موضوع“ احادیث کی نشاندہی ”سیر الأعلام“ میں کروائی ہے، ان میں مذکورہ حدیث کو شمار نہیں کیا۔ (سیر الأعلام: ۱۲۸/۳-۱۳۱)
اس اعتراض کا تحقیقی جواب یہ ہے:

۱۔ حضرات محدثین کرام و ماہرین علوم حدیث کے نزدیک علامہ ابن الجوزی رحمہ اللہ کا شمار ”متشدین“ میں ہوتا ہے، جو جرحِ راوی اور تضعیفِ راویت میں سختی سے کام لیتے ہیں۔ (قواعد فی علوم الحدیث، ص: ۱۸۸) و (الرفع والتکمیل، ص: ۳۲۰، ۳۲۱)
۲۔ ان حضرات (جن کا شمار ”متشدین“ میں ہوتا ہے) کی جرح کا حکم یہ ہے کہ ان کی جرح اس وقت مقبول ہوگی، جب دیگر محدثین کرام نے ان کی موافقت کی ہو اور مقابلے میں کسی اور محدث سے توثیق منقول نہ ہو، یا اگر توثیق بھی منقول ہو تو پھر جرح مفسر ہو، ورنہ ان کی جرح محدثین کے ہاں معتبر نہیں۔ (قواعد فی علوم الحدیث، ص: ۱۸۸-۱۹۰)

۳۔ ثقہ محدثین کرام کی تصریحات کے مطابق اسی تشدد و افراط کے نتیجہ میں ابن الجوزی رحمہ اللہ نے صحاح ستہ کے علاوہ مسند أحمد، مستدرک حاکم، السنن الکبریٰ، شعب الإیمان، دلائل النبوة، صحیح ابن حبان، صحیح ابن خزيمة، سنن الدارقطني، اور مسند دارمی کی بعض ضعیف، بعض حسن، بلکہ بعض ”صحیح“ درجے کی احادیث پر بھی کلام کیا ہے اور اسے ”موضوع“ قرار دیا ہے۔ نیز! حضرات محدثین کرام نے ایسی تمام احادیث کی باقاعدہ نشاندہی کی ہے اور انہیں شمار کیا ہے، جن کی تعداد ۳۰۰ تک پہنچتی ہے۔ (تدریب الراوی: ۱/۲۷۸)، (منہج النقد، ص: ۲۹۷، ۲۹۸)، (الأجوبة الفاضلة، ص: ۱۶۳، ۱۶۹)۔

۴۔ اسی وجہ سے کئی جلیل القدر محدثین کرام نے علامہ ابن الجوزی رحمہ اللہ کا اس صنیع پر خوب تعاقب کیا ہے، جسے علامہ سیوطی رحمہ اللہ کی ”اللالی المصنوعة“، ”ذیل اللالی المصنوعة“، ”النکت البدیعات“، اور شروح سنن ”أبي داؤد، نسائی و ابن ماجه“ وغیرہ میں، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی ”القول المسدد“ اور ”الخصال المکفرة“ میں اور حافظ ذہبی رحمہ اللہ کی ”تلخیص کتاب الموضوعات“ اور ”تلخیص العلل المتناہیة“ میں دیکھا جاسکتا ہے۔

۵۔ محدثین کرام کی تصریحات کے مطابق علامہ ابن الجوزی رحمہ اللہ کی مذکورہ تسامحات کے دو سبب

ہیں:

الف: کسی راوی پر کسی محدث کی جرح ہوتی ہے (اگرچہ یسیر ہو)، علامہ ابن الجوزی رحمہ اللہ اسی کو مدار بنا کر روایت کو رد کر دیتے ہیں اور اس راوی کے حق میں دیگر محدثین کرام کے توثیقی و تعدیلی کلمات کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔

ب: دوسرا سبب یہ ہے کہ کسی روایت کے کسی ایک طریق پر محدثین کرام نے ”ضع“ کا حکم لگایا ہوتا ہے، جب کہ اسی روایت کے دیگر صحیح طرق بھی موجود ہوتے ہیں، علامہ ابن الجوزی رحمہ اللہ مغالطہ میں پڑ کر ”مطلق متن“ پر ”ضع“ کا حکم لگا دیتے ہیں، جس کی زد میں ”صحیح طرق“ بھی آجاتے ہیں، حالانکہ دیگر محدثین کرام کا کلام نہ ”مطلق متن“ اور نہ ہی دیگر ”صحیح طرق“ پر ہوتا ہے۔

۶۔ علامہ ابن الجوزی رحمہ اللہ کے اس افراط و تفریط کی شہادت علامہ سیوطی، حافظ ابن حجر، حافظ سخاوی، حافظ انصاری، حافظ عراقی، امام نووی، حافظ ذہبی اور دیگر جلیل القدر محدثین کرام رحمہم اللہ نے دی ہے۔

مذکورہ حدیث پر جو کلام علامہ ابن الجوزی رحمہ اللہ نے کیا ہے یہ بھی ان کے جملہ اوہام اور تسامحات میں سے ہے، جس کی تصریح حافظ ذہبی نے ”تلخیص العلل المتناہیہ“ میں کی ہے، چنانچہ! علامہ ابن الجوزی رحمہ اللہ نے مذکورہ حدیث کے ایک طریق میں ”محمد بن اسحاق الویلوئی“ نامی راوی پر کلام کیا ہے، حافظ ذہبی نے یہاں ابن الجوزی کو ہونے والے مغالطے کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا:

”قال ابن الجوزي: مداره على محمد بن إسحاق اللؤلؤي، ولم يكن ثقة، وهذا جهل منه؛ فإنما محمد بن إسحاق هنا أبو بكر الصاغانى، ثقة“. (تلخيص العلل المتناهيّة، ص: ۹۳)
یعنی ابن الجوزی نے یہاں لاعلمی اور مغالطہ سے مذکورہ راوی کو ”محمد بن اسحاق الویلوئی بلخی“ سمجھا ہے، جس پر انہوں نے جرح نقل کی ہے، حالانکہ یہ محمد بن اسحاق ”ابو بکر صاغانی“ ہیں اور یہ ”ثقة“ راوی ہیں۔

پھر علامہ ابن الجوزی رحمہ اللہ نے ایک دوسرے طریق میں ”اسماعیل بن محمد“ نامی راوی پر کلام کرتے ہوئے فرمایا:

قال الدارقطني: إسماعيل بن محمد ضعيف كذاب“.

حافظ ذہبی نے اس پر استدراک کرتے ہوئے فرمایا:

وهذه بلية أخرى، فإنما إسماعيل هنا هو الصفار- ثقة- والذي كذبه الدارقطني هو المزني، يروي عن أبي نعيم“. (تلخيص العلل المتناهيّة، ص: ۹۴)

یعنی یہ دوسری مصیبت ہے اس لیے کہ یہاں روایت میں جو ”اسماعیل بن محمد“ نامی راوی ہیں، یہ ”اسماعیل بن محمد الصفار“ ہیں، جو ایک ”ثقة“ راوی ہیں۔ اور ابن الجوزی نے امام دارقطنی کے حوالے سے جن کی

تکذیب نقل کی ہے، وہ ”اسماعیل بن محمد المزنی“ ہیں، جو ”ابو نعیم“ سے روایت کرتے ہیں۔

اس تحقیق جواب کی تفصیل کے لیے دیکھیے: ”معرفة أنواع علم الحديث“ (ص: ۲۰۴)، ”تنزيه الشريعة المرفوعة“ (۱۰/۱)، ”فتح المغيث“ (۲۷۵/۱، ۲۷۶)، ”قواعد في علوم الحديث“ (ص: ۱۸۸ - ۱۹۰)، ”الرفع والتكميل في الجرح والتعديل“ (ص: ۳۲۰، ۳۲۵)، ”تدريب الراوي“ (۲۷۸/۱)، (۲۷۹)، ”منهج النقد في علوم الحديث“ (ص: ۲۹۷، ۲۹۸)، ”الأجوبة الفاضلة للأسئلة العشرة الكاملة“ (ص: ۱۶۳ - ۱۷۱) اور ”تلخيص العلل المتناهية“ (ص: ۹۳، ۹۴)۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں دوسری حدیث:

دوسری حدیث حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ

آپ ﷺ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو دعا دیتے ہوئے فرمایا: ”اے اللہ! معاویہ کو کتاب اور حساب کا علم عنایت فرما اور اسے عذاب سے محفوظ فرما“۔ دیکھیے:

”مسند أحمد“ (۱۲۷/۴)، ”مجمع الزوائد“ (۳۵۶/۹)، ”كتاب فضائل الصحابة للأمام أحمد“ (۹۱۳/۲، ۹۱۴)، ”موارد الظمان“ (ص: ۵۶۶)، ”كتاب المعرفة والتاريخ للبيسوي“ (۳۴۵/۲)، ”أنساب الأشراف للبلاذري“ (۱۰۷/۴)، ”تاريخ دمشق“ (۶۸۳/۱۶)، ”تاريخ الإسلام للذهبي“ (۳۱۸/۲)، ”الاستيعاب“ (۳۸۱/۳)، ”البداية والنهاية“ (۱۸/۱۲۰)، ”الإصابة“ (۳۸۵/۱، ۳۸۶)، ”كنز العمال“ (۱۹۰/۱۶)، (۸۸/۱۷)، ”جزء الحسن بن عرفة العبدي“ (رقم الحديث: ۳۶، ۶۶) بحوالہ سيرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ، از مولانا محمد نافع مدظلہ، (۱۱۲/۱)

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں تیسری حدیث:

حضرت عمیر بن سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

”معاویہ کا تذکرہ خیر و خوبی کے سوا امت کرو، کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ آپ ﷺ معاویہ کے حق میں فرماتے تھے: ”اے اللہ! انہیں ہدایت نصیب فرما“۔ دیکھیے:

”سنن الترمذی“ (ص: ۵۴۷)، ”التاريخ الكبير للبخاري“ (۳۲۸/۴)، ”البداية والنهاية“ (۱۲۲/۸)، ”تاريخ دمشق“ (۶۸۶/۱۶)۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں چوتھی حدیث:

حضرت وحشی بن حرب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے ساتھ سوار تھے، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کہ آپ کے جسم کا کون سا حصہ میرے قریب تر ہے؟ تو حضرت معاویہ نے فرمایا: میرا شکم آپ ﷺ کے نزدیک ہے، تو اس وقت آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”اے اللہ! اسے علم و حلم سے پڑھ فرما“۔

دیکھئے: ”التاريخ الكبير للبخاري“ (۱۸۰/۱۴)، ”علل الحديث لابن أبي حاتم“ (۱۲)

۳۵۹)، ”تاریخ الإسلام للذهبي“ (۳۱۹/۲)، ”تاریخ دمشق“ (۶۸۸/۱۶) بحوالہ سیرت معاویہ رضی اللہ عنہ، از مولانا محمد نافع مدظلہ، (۱۱۵/۱)

ابن عساکر نے ”تاریخ دمشق“ میں ”نفی فضیلت معاویہ رضی اللہ عنہ“ کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ مذکورہ روایات حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں وارد روایات میں سے اصح ترین ہیں، و نصہ: ”أصح ما روي في فضل معاوية، حديث أبي حمزة عن ابن عباس أنه كان كاتب النبي ﷺ، فقد أخرجہ مسلم في صحيحه، وبعده حديث، ”اللهم علمه الكتاب والحساب“، وبعده حديث ابن أبي عمير: ”اللهم اجعله هادياً مهدياً“ (۶۹۷/۱۶) اسی کو ابن عراق کنانی نے بھی ”تنزیہ الشریعة“ میں علامہ سیوطی کے حوالے سے نقل کیا ہے۔ (تنزیہ

الشریعة: ۸/۲، ذیل اللالی للسیوطی، ص: ۷۵)

حافظ ابن کثیر مندرجہ بالا احادیث پر بحث کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ ”ہم نے اس مسئلہ میں موضوع و مکرر روایات سے احتراز کر کے صرف صحیح، حسن اور جید روایات کے بیان کرنے پر اکتفا کیا ہے۔“ (البدایۃ والنہایۃ: ۱۲۲/۸)

نیز آپ ﷺ نے پہلا بحری جہاد کرنے والے لشکر کو جنت کی خوشخبری دی ہے (بخاری، کتاب الجہاد: رقم: ۲۹۲۴) اور محدثین و مؤرخین کا اس پر اتفاق ہے کہ پہلی بار غزوہ (جسے ”غزوہ قبرص“ کہا جاتا ہے) ۲۷ھ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی امارت میں پیش آیا۔

اب ڈاکٹر صاحب پر اپنا مدعا ثابت کرنے کے لیے اصولی طور سے لازم ہے کہ وہ ہماری ذکر کردہ پانچوں ”صحیح احادیث“ کو جملہ طرق کے ساتھ، ”موضوع“ ثابت کریں، اس لیے کہ ایک طریق کی صحت سے بھی فی الجملہ مضمون کا ثبوت ہو جاتا ہے اور صرف ”ضعیف“ ثابت کرنے سے بھی بات نہیں بنے گی کہ ”باب الفضائل“ میں ضعیف حدیث تین شرائط کے ساتھ مقبول ہے، پھر تعدد طرق سے تو وہ بھی قوی ہو جاتی ہے۔ اب اس کے بعد ڈاکٹر صاحب کے ذکر کردہ ”مطاعن“ کا سرسری جائزہ لیتے ہیں۔

ڈاکٹر صاحب کے پہلے طعن کا جواب

۱۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو شام کا گورنر بنانا، حمص کی ولایت انھیں سپرد کرنا، بعد ازاں شام کے تمام علاقے و نواحی ان کی امارت میں دینا اور اپنے دور خلافت کے آخر تک انہیں برقرار رکھنا، پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا بھی ان سے یہی معاملہ برقرار رکھنا ظاہر ہے کہ اسی کو ”اعتماد خاص“ کہا جاتا ہے۔ رہی بات دُرے مارنے والے واقعے کی، سو وہ ایک جزوی واقعہ ہے جو نہ ”اعتماد خاص“ کے منافی ہے اور نہ ہی ”نفی فضیلت“ کو مستلزم ہے، پھر یہ ان حضرات کا ”غایت تقویٰ“ اور ”کمال“ تھا کہ ذرا سی بات پر بھی فوراً گرفت فرماتے، ساتھ ہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ”جلالی شان“ بھی اگر مد نظر رکھیں تو بات واضح ہو

جاتی ہے، کئی احادیث میں ان کا یہ مقولہ مذکور ہے:

”دعني يا رسول الله ﷺ! أضرب عنق هذا المنافق“،

اسی تناظر میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس بات کو بھی دیکھ لیا جائے کہ

”یہ اللہ کا اقتدار ہے وہ نیک کو بھی دیتا ہے اور فاجر کو بھی“،

پھر کسی بھی صحابی سے متعلق ”معصومیت“ کا دعویٰ ہم نے کب کیا ہے؟! ان سے بڑی بڑی غلطیاں سر

زرد ہوئیں، لیکن اللہ تعالیٰ نے مغفرتِ کاملہ فرمائی، حضرت معاذ بن مالک اسلمی رضی اللہ عنہ کے بارے میں

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”لقد تاب توبة لو قسمت بين أمة لو سعتهم“، (مسلم، رقم: ۴۴۳۱)

لیکن ڈاکٹر صاحب اب بھی معاف کرنے کے لیے تیار نہیں۔

”سیر الأعلام“ کے حوالے سے لکھتے ہیں:

”اے اللہ! یوسفیان پر لعنت کر“،

لیکن آپ ﷺ کا یہ مبارک ارشاد یاد نہیں

”الإسلام يهدم ما كان قبله“،

یہ کہاں کی تحقیق ہے؟ ”رافضیت نوازی“ اور کس چیز کا نام ہے؟!

ڈاکٹر صاحب کے دوسرے طعن کا جواب:

(۲) حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے ان کی مدح سرائی میں

فرمایا کرتے تھے کہ:

”تم قیصر و کسریٰ کی دانائی اور زیر کی کا ذکر کرتے ہو، حالانکہ تمہارے پاس معاویہ جیسے دانشمند اور زیرک آدمی

موجود ہیں“۔

کبھی فرماتے:

”تم ہر قل اور کسریٰ کی ہوشمندی و ہوشیاری سے تعجب کرتے ہو اور معاویہ رضی اللہ عنہ کو چھوڑ بیٹھتے ہو“۔

بعض دفعہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر نظر فرمانے کے بعد ارشاد فرمایا:

”دانائی اور زیر کی میں معاویہ رضی اللہ عنہ کو تو عربوں کے کسریٰ ہیں“۔ دیکھیے: ”الکامل فی

التاریخ“ (۳/۳۷۳)، ”تاریخ الإسلام“ (۲/۳۴۳)، ”البدایة والنہایة“ (۸/۱۳۲)۔

لیکن ڈاکٹر صاحب نے جب ”تعصب“ (بلکہ رافضیت) کی عینک سے مطالعہ کیا، تو انہیں یہ منقبت بھی

مذمت نظر آئی، نتیجہً اس کا جو مفہوم بیان کیا، وہ قارئین ملاحظہ فرما چکے ہیں۔

فکر ہر کس بقدر ہمت اوست۔

ڈاکٹر صاحب کے تیسرے طعن کا جواب:

۳۔ ”لا أشبع الله بطنه“ کے جواب سے قبل ڈاکٹر صاحب کے اس ضمن میں چند ”تسامحات“ کی نشاندہی ضروری ہے:

(۱) ابتداء حوالہ ”مسند احمد“ کا دیا گیا ہے، حالانکہ اس میں نہ تین مرتبہ کا ذکر ہے اور نہ ہی بددعا کا۔
(۲) مسند احمد میں ”وكان كتابه“ (کہ معاویہ رضی اللہ عنہ کا تب وحی تھے)، بھی مذکور ہے، ڈاکٹر صاحب نے اس کا تذکرہ نہیں کیا۔

(۳) آپ ﷺ نے انہیں کتابت وحی کے لیے بلایا تھا۔

(۴) تین مرتبہ بلائے جانے اور بددعا کا ذکر ”سیر الأعلام“ (۱۲۳/۳) اور ”البدایة والنهاية“ (۱۲۶/۸) میں ہے، جس کا حوالہ ڈاکٹر صاحب نے دیا ہے، لیکن دونوں جگہ ”وكان يكتب الوحي“ کی تصریح ہے اور دونوں حضرات نے اس کے بعد انتہائی بہترین و مناسب توجیہ بھی ذکر کی ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ یہ آپ ﷺ کی طرف سے دعا ہے، بددعا نہیں۔ یہ دونوں باتیں بھی ”ڈاکٹر صاحب“ کی ”دیانت“ کی نذر ہو گئیں۔

اب اصل جواب کی طرف آتے ہیں، وہ یہ کہ حدیث کی کتاب ”مسند احمد“ میں جو اصل واقعہ مذکور ہے، اس میں نہ تین مرتبہ کا ذکر ہے، نہ بددعا کا، جس سے معلوم ہوا کہ یہ کسی راوی کا اپنا ادراج ہے، البتہ مزید تتبع سے ”مسلم“ میں بھی یہ روایت ملی، وہاں دو مرتبہ کا ذکر ہے اور مذکورہ بددعا کا بھی۔

علامہ بلاذری نے ”أنساب الأشراف“ میں لکھا:

”قال أبو حمزة: فكان معاوية بعد ذلك لا يشبع.“ (۱۰۶/۴)

اس تصریح سے معلوم ہوا کہ یہ راوی ابو حمزہ (جو ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں) کا ادراج ہے، یہ ابو حمزہ عمران بن ابی عطاء الأسدي الواسطي ہیں، ایک متکلم فیہ راوی ہیں، علمائے رجال نے ان پر نقد و کلام کیا ہے، تفصیل کے لیے دیکھیے:

”المغني في الضعفاء“ (۱۳۶/۲)، ”كتاب الضعفاء الكبير“ (۲۹۹/۳)، ”میزان الاعتدال“ (۱۳)

(۲۳۹)، ”الجرح والتعديل“ (۳۸۷/۶)، ”تهذيب الكمال“ (۳۴۳/۲۲)، ”تهذيب التهذيب“

(۱۳۶/۸)، ”تقريب التهذيب“ (ص: ۴۳۰)۔

ان کی تضعیف یا توثیق سے متعلق حتیٰ رائے قائم کرنا تو مشکل ہے، البتہ امام نووی کی تصریح کے مطابق اتنی بات متفق علیہ ہے کہ ان کی صرف ایک ہی روایت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ہے، جو مسلم اور مسند احمد

میں ہے اور اس میں ان کی متابعت کوئی نہیں، (شرح النووی: ۳۷۱/۱۶)۔

حاصل یہ ہے کہ یہ ان کا متفردانہ قول ہے اور راوی کا متفرد قول بغیر متابعت کے لائق اعتناء نہیں ہوتا، پھر روایت پر نقد و کلام سے قطع نظر اس جملہ کا صحیح محمل موجود ہے، وہ یہ کہ یہ ”كَلْتُكَ اُمُّكَ“، ”تربت يدك“ اور ”على رَغَمِ اَنْفِكَ“ کے قبیل سے ہیں، جو بغیر کسی قصد کے صادر ہوتے ہیں، اس توجیہ کو امام نووی نے اختیار کیا ہے۔ (شرح النووی: ۳۷۱/۱۶)

امام ذہبی نے ”سیر الأعلام“ میں یہ مطلب بیان کیا کہ ”اللہ ان کو شکم سیری نہ دے، تاکہ قیامت کے دن انہیں بھوک کی تکلیف نہ ہو“۔ (۱۲۳/۳)

اس لیے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

”جو شخص دنیا میں سب سے زیادہ شکم سیر ہوگا، وہ آخرت میں سب سے زیادہ بھوکا ہوگا“۔ (ترمذی

: ۲۴۷۸) و (ابن ماجہ: ۳۳۵۰) و (ابن ابی الدینانی الجورج: ۲/۲) و (مجمع الزوائد: ۳۱/۵)

تیسری توجیہ: امام نووی فرماتے ہیں کہ امام مسلم نے پہلے یہ حدیث ذکر کی کہ:

”اے اللہ! میں اگر کسی بھی شخص کو ایسی بددعا دوں، جس کا وہ مستحق نہ ہو، تو اس بددعا کو اس کے لیے گناہوں سے پاک کرنے، تزکیہ اور قربت کا ذریعہ بنا“۔

پھر اس سے متصل ہی مذکورہ حدیث کو لا کر استنباط کیا ہے کہ یہ آپ ﷺ کے پہلے فرمان کے مطابق در حقیقت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے دعا ہے، (شرح النووی: ۳۷۱/۱۶)، اسی کو امام ذہبی نے ”سیر الأعلام“ (۱۲۳/۳) اور حافظ ابن کثیر نے ”البدایہ والنہایہ“ (۸/ ۱۲۶، ۱۲۷) میں اختیار کیا ہے، لیکن ڈاکٹر صاحب اسے ماننے کے لیے تیار نہیں کہ ”ہنر پنچشم عداوت بزرگ تر عیب است“۔
ڈاکٹر صاحب کے چوتھے طعن کا جواب:

۴۔ رہی بات بخاری و مسلم کا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی منقبت میں کوئی باب نہ باندھنے کی، سو اس کے جواب میں اولاً یہ عرض ہے کہ کسی فضیلت کے ثبوت کو بخاری و مسلم پر موقوف کرنے کا ”نزالہ معیار“ چودہ صدیوں میں سے کس مفسر، محدث، محقق یا فقیہ کا ہے؟

کیا بخاری میں تمام صاحب مناقب صحابہ کے مناقب و فضائل موجود ہیں؟؟؟

وثائياً: ”عدم ذکر الشئ لایستلزم عدم وجودہ“ جس کی وضاحت ہم کر چکے ہیں۔

وثالثاً: ایسا ہے بھی نہیں، بلکہ مسلم کے حوالے سے تو ہم ابھی ذکر کر چکے اور امام بخاری نے اگر ”صحیح

بخاری“ میں مناقب بیان نہیں کیے تو ”التاریخ الکبیر“ بھی تو انہی کی کتاب ہے۔

رہی بات امام بخاری کا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حالات کو ”ذکر معاویہ“ کے عنوان سے ذکر کرنے کی، سو یہ اگر ”لفی فضیلت“ کو مستلزم ہے، تو ڈاکٹر صاحب سے مؤدبانہ گزارش ہے کہ وہ عباس بن عبد المطلب، ابوالعاص بن الربیع، اسامہ بن زید، عبد اللہ بن عباس، جریر بن عبد اللہ الجعفی، حذیفہ بن الیمان، اور ہند بن عتبہ بن ربیع رضی اللہ عنہم اجمعین کے فضائل و مناقب کا بھی انکار کر دیں، یہ الزامی جواب ہے، تحقیقی جواب یہ ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ ”تفنن فی الکلام“ کی غرض سے ایسی تعبیرات اختیار کرتے ہیں، کذا فی ”الناہیہ“ (ص: ۳۴)۔

ڈاکٹر صاحب کے پانچویں طعن کا جواب:

۵۔ ڈاکٹر صاحب نے جو آخری طعن ذکر کیا ہے، اس کا حاصل یہ ہے کہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے فضائل معاویہ رضی اللہ عنہ میں وارد روایات کو من گھڑت اور موضوع قرار دیا ہے، پھر آخر میں اسحاق بن راہویہ اور امام نسائی کا حوالہ بھی دیا ہے۔

جہاں تک بات ہے اسحاق بن راہویہ اور امام نسائی کے کلام کی، تو اس کا جواب سابق میں ہم تفصیل و تحقیق کے ساتھ دے چکے ہیں، رہی بات امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے کلام کی، سو اس میں یہ یقین نہیں کہ وہ ”من گھڑت“ فضائل کون سے ہیں؟

ڈاکٹر صاحب جب تک یہ ثابت نہ کریں کہ ان ”من گھڑت“ فضائل سے وہی مراد ہیں، جو ہم نے سابق میں احادیث کی معتبر کتب سے محدثین کرام کی تحسین و توثیق کے ساتھ ذکر کیے ہیں، اس وقت تک ان کا مدعا ثابت نہیں ہوگا اور یہ ثابت کرنے کے لیے ڈاکٹر صاحب کو بلا مبالغہ صدیاں درکار ہیں۔

لیکن ان کی سہولت کے لیے ہم خود ہی ثابت کر دیتے ہیں کہ اس سے مراد وہ فضائل نہیں جو ہم نے ذکر کیے ہیں، دلیل اس کی یہ ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی منقبت میں متعدد موضوع روایات اس کے علاوہ ہیں، جو ہم ذکر کر چکے، جیسا کہ حافظ ذہبی کی ”سیر الأعلام“ کے حوالے سے اکیس روایات کا حوالہ گزرا، امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی مراد بھی وہی دیگر موضوع روایات ہیں، نہ کہ وہ جو ہم نے ذکر کیے، دلیل اس کی یہ ہے کہ ہماری ذکر کردہ روایات کو خود امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے ”مسند أحمد“ اور ”کتاب فضائل الصحابة“ میں ذکر کیا ہے، اگر ان کی مراد یہی روایات ہیں، تو پھر امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے خود کیوں ان فضائل کو ذکر کیا؟؟؟

ڈاکٹر صاحب نے ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے یہ تو ذکر کیا تھا:

”ولا خلاف أن أبا سفيان ومعاوية أسلما في فتح مكة سنة ثمان“.

لیکن ابن قیم کا یہ فیصلہ نظر انداز کر گئے کہ:

”حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی مذمت کی متعلقہ احادیث کذب محض ہیں“، ونصہ: ”ومن

ذلك الأحادیث في ذم معاوية رضي الله عنه، وكل حديث في ذمه فهو كذب“.

(المنار المنيف في الصحيح والضعيف، ص: ۱۷)

ہم نے اپنی اس تحریر میں حد درجہ اختصار سے کام لیا ہے، ان شاء اللہ تفصیل مستقل رسالے کی صورت

میں قارئین کی خدمت میں پیش کریں گے۔

یہ ہیں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی زندگی کے صحیح حالات، ان میں سے بہت سے گوشے ابھی تفصیل طلب ہیں، یہاں صرف ”ڈاکٹر سید رضوان علی ندوی“ کی ”علمی خیانتوں“، ”قطع و برید“، ”تلمیس ابلیس“، ”تحریفات“، ”غلط بیانیوں“ اور ”رافضیت نوازی“ کی نشاندہی کر کے اس کا پردہ چاک کیا گیا ہے، عام قارئین کو یاد رکھنے کی بات یہ ہے کہ ”سیدنا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ایک جلیل القدر، عظیم المرتبت صحابی رسول ہیں، کچھ میں مشرف باسلام ہوئے، صحیح احادیث کی روشنی میں آپ ﷺ سے ان کے حق میں کئی دعائیں منقول ہیں، ان کا شمار سر فہرست ”کاتبین وحی“ میں ہوتا تھا، حضرت عمرو عثمان رضی اللہ عنہما کے دور خلافت میں بیس (۲۰) سال تک شام کے ”امیر“ (گورنر) رہے۔ اس کے بعد بیس (۲۰) سال تک ”خلیفہ“ رہے، کم و بیش آدھی دنیا پر (اسلامی نظام نافذ کر کے) حکومت کرنے کے بعد ۶۰ھ میں اس دایر فانی سے رخصت ہو کر دایر بقاء کی طرف منتقل ہو گئے۔ إنا لله وإنا إليه راجعون۔ ☆☆☆☆

عقائد اہل سنت اور علامہ ابوعمار صاحب کی

نوازشات

ترتیب: مولانا عبدالریم چاریاری

ناشر: جامعہ حنفیہ، امداد ٹاؤن، شیخوپورہ روڈ، فیصل آباد

رابطہ: 0321-0311-7837313

مولانا حافظ صلاح الدین یوسف صاحب کی خدمت میں

شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہؒ جنہوں نے شیعہ عالم علامہ ابن مطہر حلّیؒ کی کتاب ”منہاج الکرامۃ“ کے جواب میں چار جلدوں پر مشتمل علم افروز اور شہرہ آفاق کتاب ”منہاج السنۃ“ رقم فرمائی تھی جس کی بناء پر علامہ حلّیؒ، اولجائیو خدا بندہ جیسے بادشاہوں کی نوکری کرنے پر مجبور ہو گئے تھے۔ تقلید شخصی کے متعلق فرماتے ہیں کہ تقلید کو باز پچا اطفال بنا کر دین پر عمل پیرا ہونے والے لوگ جو کبھی کسی امام کا فتویٰ لے لیتے ہیں اور کبھی کسی کی اتباع کا دعویٰ کرتے ہیں، بالکل ناجائز ہے۔ لکھتے ہیں:

”یکونون فی وقت یقلدون من یفسدہ، وفی وقت یقلدون من یصحہ، بحسب الغرض والہوی، و مثل هذا لا یجوز باتفاق الائمة. [الفتاویٰ الکبریٰ: ۲/۲۸۵]

ایسے لوگ کبھی تو اس کی مانیں گے جو نکاح کو فاسد کہتے ہیں اور حسب موقع اس کی پیروی کرنے لگ پڑیں گے جو نکاح کو جائز کہتے ہوں گے، اور یہ سب کچھ ہوی پرستی کی بنیاد پر ہوگا، یہ عمل باتفاق ائمہ ناجائز ہے۔“
علامہ مازنیؒ مالکی فقہ کے بہت بڑے عالم اور ترجمان تھے، مالکی فقہ کی کتب میں ان کا نام نامی بہت عظمت و اجلال کا مظہر نظر آتا ہے حتیٰ کہ علامہ شاطبیؒ اکثر مواقع پر اپنی بات اور دعوے کو مضبوط کرنے کے لئے ان کا حوالہ دیتے نظر آتے ہیں، چنانچہ ایک مقام پر فرماتے ہیں:

”إن الورع قل بل کاد یعدم والتحفظ علی الدیانات کذلک، و کثرت الشهوات، و کثر من یدعی العلم و یتحاسر علی الفتویٰ فیہ، ولو فتح لہم باب فی مخالفة المذهب لا تسع الخرق علی الراقع، و ہتکوا حجاب ہیبة المذهب، و هذا من المفسدات التی لا خفاء بہا. [الموافقات للشاطبی: ۳/۱۴۶]

ترجمہ: زہد و تقویٰ بہت کم، بلکہ نہ ہونے کے برابر رہ گیا ہے، خواہشات کی بڑھوتری کی بناء پر دیانت قائم کرنے کا احساس ختم ہو رہا ہے۔ مدعیان علم ایسے ایسے اٹھ کھڑے ہوئے جو فتویٰ دینے میں نہایت جری ہیں۔ اگر لوگوں کے لئے ایک فقہ سے نکلنے کی گنجائش دی جائے تو پیوند زدہ تار اور ٹوٹ جائیں گے، لوگ مذہب کا پردہ چاک کرتے پھریں گے اور تقلید شخصی کو کمزور کرنے میں وہ مفسدات ابھریں گے جو پردہ انحاء میں نہیں۔“
اسی طرح علامہ فخر الدین رازنیؒ فرماتے ہیں:

”ثالثهما أن العامی يجب عليه تقليد العلماء في أحكام الحوادث. [تفسير كبير: 3/423]

تیسری بات یہ ہے کہ عام آدمی کے لئے روزمرہ کی زندگی کے پیش آمدہ مسائل میں علماء کی تقلید واجب ہے۔“

علامہ رازیؒ کے علمی طمطراق سے کون ناواقف ہے؟ بروجران کے تذکروں سے چھلک رہے ہیں۔ شیعہ عالم علامہ نصیر الدین طوسی، جنہیں علامہ ابن تیمیہؒ ”منہاج السنۃ“ میں نصیر الکفر طوسی کے نام سے ذکر کرتے ہیں پر علامہ رازیؒ کے نام کی ہیبت ساری عمر سوار رہی اور وہ اپنے حواریوں میں علامہ رازیؒ پر بہتان طرازیوں اور تحریص کے ذریعے نفس امارہ کو تسکین دیتے ہیں جیسا کہ مرزا تنکا بنی علامہ طوسی کے احوال میں لکھتے ہیں:

”خواجہ (نصیر الدین) سے سوال کیا گیا کہ کیا وجہ ہے کہ امام فخر رازی اتنے باہوش و خرد ہونے کے باوجود سنی رہ گئے؟ تو جواب دیا کہ امام فخر سنی نہیں ہوا بلکہ ایک سنی امام فخر بن گیا۔ یعنی ایسا نہیں ہے کہ امام فخر نے پہلے تحصیل علم کی اور پھر تمام ادیان کی چھان بین کرنے کے بعد اہل سنت کا مذہب اختیار کیا، بلکہ وہ پیدائشی سنی تھے اور آباؤ اجداد کا دین رکھتے تھے۔ اس کے بعد فاضل عالم ہوئے لیکن آباؤ اجداد کے دین سے بے پناہ لگاؤ اور عصبيت نے ان کو اپنا مذہب تبدیل نہ کرنے دیا کہ وہ شیعہ ہو جائیں۔“ (قصص العلماء۔ از مرزا تنکا بنی شیعہ، صفحہ نمبر ۳۱۴)

خیر یہ تو ایک بھٹکے ہوئے جو عموماً شیعہ علماء کا وظیفہ حیات ہوتا ہے ہمارا مقصد فقط یہ ہے کہ امام رازیؒ جن کے علم و فضل پر اہل علم کا اتفاق ہے وہ شخصی تقلید کے حوالے سے کس پیرائے میں امت کی راہنمائی فرما رہے ہیں؟ اسی طرح علامہ نوویؒ اس ضمن میں اپنی رائے یوں پیش فرماتے ہیں:

”ووجهه أنه لو جاز اتباع أي مذهب شاء، لأفضى إلى أن يلتقط رخص المذاهب متبعاً هواه و يتخير بين التحليل و التحريم و الوجوب و الجواز، وذلك يودي إلى انحلال ربة التكليف، بخلاف العصر الأول، فإنه لم تكن المذاهب الوافية بأحكام الحوادث مهذبة و عرفت، فعلى هذا يلزمه أن يجتهد في اختيار مذهب يقلده على التعيين. [المجموع شرح المذهب: 91/1]

ترجمہ: فقہ کے اختیار کرنے میں اگر ہر انسان صاحب اختیار ہو کہ وہ جب چاہے اور جس کی چاہے تقلید کرے تو لازمی بات ہے کہ وہ اپنی نفسانی خواہشات کا لحاظ کر کے سارے فقہی مذاہب کی آسانیاں چن لے گا اور حلت و حرمت، وجوب و جواز سب کو بدلتا پھرے گا۔ نتیجتاً احکام شریعت کی پابندیاں کھل جائیں گی اور یہ پہلے زمانہ کے خلاف ہے کیونکہ تب فقہی جزئیات مدون و مرتب نہ ہوئی تھیں۔ اب تو ہر شخص کے لئے ضروری ہے کہ وہ پوری کوشش کھپا کر ایک فقہی مذہب چن لے اور پھر معین طور پر اس کی تقلید کرے۔“

قارئین کرام!

گزشتہ بحث میں ہم مولانا صلاح الدین یوسف صاحب کا یہ ارشاد نقل کر آئے ہیں کہ آیت فاسئلوا اهل الذکر ان کنتم لا تعلمون کے تحت علماء دین کی طرف مراجعت تو ضروری ہے لیکن تقلید شخصی ضروری نہیں۔ اور اس ضمن میں ہم مولانا موصوف کی تضاد بیانی پر بھی تبصرہ کر چکے ہیں۔ اسلاف امت کی آراء و عمل کے بعد جب ہم اہل حدیث علمائے کرام اور اپنے مخاطب کا طرز عمل دیکھتے ہیں تو محسوس ہوتا ہے کہ ان دوستوں کو ابھی تک محل اختلاف کا ہی علم نہیں کہ ہم اہل تقلید سے آخر کس بات پر جھگڑے رہے ہیں؟ ماضی کے اکابر اہل حدیث محل اور سبب اختلاف سے تو کم از کم آشنا رہے جس کی وجہ سے ان کی فکر و نظریہ متعدل اور مزاج محبت آمیز رہا۔ اب اہل حدیث دوستوں کا مزاج، ماشہ تولہ ہو گیا ہے۔ اور نوبت بایں جار سید کہ تقلید مطلق، تقلید شخصی، اجتہاد، تارتخ تقلید یا تلفیق جیسی ابحاث تو ایک طرف رہ گئیں۔ فقط امام اعظم ابو حنیفہؒ کا اسم گرامی سنتے ہی دوستوں کو کاٹنا چھ جاتا ہے۔ اس اعتبار سے اہل حدیث بھائی تقلید شخصی کے قائل تو نہیں البتہ ”بغض شخصی“ پر خوب عمل پیرا ہیں۔ اس لئے تو مولانا داؤد غزنویؒ نے رنجیدہ ہو کر کہا تھا:

”مولوی اسحاق! جماعت اہل حدیث کو حضرت امام ابو حنیفہؒ کی روحانی بددعا لے کر بیٹھ گئی ہے۔ ہر شخص ابو حنیفہؒ، ابو حنیفہؒ کہہ رہا ہے، کوئی بہت ہی عزت کرتا ہے تو امام ابو حنیفہؒ کہہ دیتا ہے۔ پھر ان کے بارے میں ان کی تحقیق یہ ہے کہ وہ تین حدیثیں جانتے تھے یا زیادہ سے زیادہ گیارہ۔ اگر کوئی بہت بڑا احسان کرے تو وہ انہیں سترہ حدیثوں کے عالم گردانتا ہے، جو لوگ اتنے جلیل القدر امام کے بارے میں یہ نقطہ نظر رکھتے ہوں ان میں اتحاد و یکجہتی کیونکر پیدا ہو سکتی ہے؟ یا غریب العلم إنما اشکوا بنی و حزنی الی اللہ۔“

[حضرت مولانا داؤد غزنویؒ، ص: ۱۳۶، اکتوبر ۱۹۹۴ء]

یہ حوالہ صرف سخن فہم حضرات کے لیے ہے وگرنہ مولانا یوسف صاحب کو ”قول شخصی“ کہہ کر ٹھکرا دینے کا پورا اختیار ہے۔ بغض و عداوت کی جڑیں بہت گہرائی میں ہوتی ہیں کیونکہ نفرت، نفرتوں کو جنم دیتی ہے۔ برسبیل تنزل عرض کرتے چلیں کہ ایک بار تہران کی کسی کانفرنس میں اہل حدیث فاضل مولانا بشیر الرحمن مستحسن نے اتحاد امت کے حوالے سے گفتگو کرتے ہوئے نہایت عجیب فارمولہ پیش کیا تھا۔ اختر کا شمیرتی لکھتے ہیں:

”سیشن کے آخری مقرر گوجرانوالہ کے اہل حدیث عالم مولانا بشیر الرحمن مستحسن تھے، مولانا مستحسن بڑی مستحب قسم کی چیز ہیں، علم محیط اور جسم بسیط کے مالک، ان کا اندازِ تکلم جدت آلود اور گفتگو عرف ہوتی ہے۔ فرمانے لگے، اگر آپ صدق دل سے اتحاد چاہتے ہیں تو ان تمام روایات کو جلانا ہوگا جو ایک دوسرے کی دل

آزادی کا سبب ہیں۔ ہم ”بخاری“ کو آگ میں ڈالنے ہیں اور آپ ”اصول کافی“ کو نذر آتش کریں۔ آپ اپنی فقہ صاف کریں، ہم اپنی فقہ صاف کرتے ہیں۔ (اختر کاٹھیری لکھتے ہیں) ممکن ہے اس تجویز پر ہر چیز کا صفایا ہو جاتا کہ مولانا (عبدالقادر) آزاد نے مدخلت کر کے بخاری اور اصول کافی کو نذر آتش ہونے سے بچالیا۔ (آتش کدہ ایران، طبع اول فروری ۱۹۸۴ء)

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے تقلید شخصی کی ضرورت و اہمیت اور تاریخ کو محض چند سطور میں سمودیا ہے، رقم فرماتے ہیں:

”لأن الناس لم يزوالوا من زمن الصحابة إلى أن ظهرت المذاهب الأربعة يقلدون من اتفق من العلماء من غير تكبر يعتبر إنكاره، ولو كان ذلك باطلاً لأنكره. [عقد الحید: ۲۹]

ترجمہ: زمانہ صحابہ کرامؓ سے لے کر مذاہب اربعہ کے ظاہر ہونے تک لوگوں کا جس پر بھی اتفاق ہوتا، تقلید کرتے رہے۔ اور بغیر کسی قابل اعتبار انکار کے یہ عمل جاری رہا۔ اگر یہ تقلید باطل ہوتی وہ حضرات ضرور اس پر تکبر فرماتے۔“

(جاری ہے)



قیمت 1200/- روپے
وزن 600 گرام

قیمت 650/- روپے
وزن 300 گرام



معبون قوت
دماغ زعفرانی

132 اجزاء سے تیار کردہ

فیصل

دماغ، اعصاب، ذہن اور حافظہ کیلئے آزمودہ نسخہ

اجزاء معجون

زعفران	دارچینی	شہد	مغز بادام
سبزی	بیلہ	جوہر آہن	برقی بوٹی
مرق سیاہ	ورق طلا	بادیان	مغز اخروٹ
خشخاش	گاوزبان	گل سرخ	طیاشیر
اسطوخودوس	الائیجی کلاں	الائیجی خورد	زرشک
مغز تر بوڑ	ورق نعزہ	گوند کثیرہ	جوہر مرجان
آملہ	مغز خیارین	مغز کدو	موہر ہفتی

- ذہنی دباؤ، تھکاوٹ، بے خوابی، نسیان اور اعصابی کمزوری کا اکسیر علاج
- چہرے کی شادابی، حافظہ کی کمزوری، نظر کی بہتری کیلئے بہترین ٹانک
- نظام ہضم کی درستگی، شوگر اور بلڈ پریشر کے مریضوں کیلئے انمول تحفہ
- ہر موسم، ہر عمر کی خواتین و حضرات کیلئے یکساں مفید
- معدہ و جگر کی کمزوری، بواسیر کا بہترین علاج
- معجون کا مسلسل استعمال بھرپور جوانی کی ضمانت

پاکستان فری

بھر میں بذریعہ ڈاک

ڈیگراؤنڈ سٹیلز کالونی فنصیل آباد

0314-3085577

فیصل FOODS

0314 3085577

زبیر علی زئی کا تعاقب

قسط: ۲۵

زبیر علی زئی...

☆ محمود حسن نے جلیل القدر صحابیہ سیدہ فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کو ”زبان دراز“ کہا۔
(تقاریر شیخ الہند ص ۱۳۳)

☆ محمود حسن نے رشید احمد گنگوہی دیوبندی کو ”بانی اسلام کا ثانی“ کہا۔ (کلیات شیخ الہند ص ۸۷)
محمود حسن دیوبندی نے کہا: ”کیونکہ قول مجتہد بھی قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی شمار ہوتا ہے“
(الورد الخدی ص ۲)

۲: جمہور اہل حدیث علماء نے محمود حسن پر جرح کر رکھی ہے اور جرح و تعدیل میں تطبیق نہ ہونے کی حالت میں جمہور علمائے حق کو ہی ترجیح حاصل ہوتی ہے۔

۳: فتاویٰ ثنائیہ کی مذکورہ عبارت سیاسی ہے جیسا کہ اس کے شروع میں ”سیاسی رہنمائی“ (فتاویٰ ثنائیہ ۴۴۱)
اور آخر میں ”سیاسی مجالس“ کا ذکر موجود ہے۔ (دیکھئے فتاویٰ ثنائیہ ۴۸۱)
سیاسی بیانات سے متروک عندا لجمہور کی توثیق ثابت کرنا رب نواز جیسے آل دیوبند کا ہی کام ہے۔

جواب۔۔۔

۱۸۸

(الف)..... علی زئی صاحب لکھتے ہیں:

”قضاۃ قرطبہ للقیروانی نامی کتاب میرے پاس موجود نہیں ہے لہذا کتاب کو دیکھنے کے بعد ہی فیصلہ ہو سکتا ہے کہ ابن مدرک کی صراحت کے ساتھ اس کتاب میں کوئی ذکر موجود ہے۔“ [علمی مقالات: ۳/۴۷۳]

عرض ہے کہ ہمارے پاس بھی ”تقاریر شیخ الہند“ نامی کتاب نہیں ہے، لہذا کتاب دیکھ کر ہی فیصلہ ہو سکتا ہے کہ اُس میں ”زبان دراز“ جملہ ہے بھی سہی؟

(ب)..... علی زئی صاحب عبد اللہ روپڑی صاحب کی کتاب ”توحید الرحمن“ میں مذکور ایک عبارت کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

”روپڑی صاحب کو اس کتاب کی تصویب (تصحیح و تسوید) کا موقع نہیں مل سکا... لہذا روپڑی

صاحب اس کتاب کے ذمہ دار نہیں۔ ۲: یہ عبارت شاذ ہے۔“ [ماہنامہ ضرب حق سرگودھا شمارہ: ۲۵، ص: ۲۰]

علی زئی صاحب کے اس پسندیدہ جواب کو دہراتے ہوئے ہم انہی کی زبان میں یہی دو باتیں کہتے ہیں۔
۱..... حضرت مولانا محمود حسن صاحب رحمہ اللہ کو اس کتاب ”تقاریر شیخ الہند“ کی تصویب (نصیح) کا موقع نہیں مل سکا، لہذا وہ اس کتاب کے ذمہ دار نہیں۔

۲..... یہ عبارت شاذ ہے کیونکہ حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ نے دوسرے مقام پر سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی طرف ”زبان دراز“ جملہ منسوب کرنے کی بجائے دوسرے جواب کو ”عمدہ“ قرار دیا ہے۔ چنانچہ حضرت نے فرمایا:

”فاطمہ بنت قیس کی روایت کا جواب عمدہ تو وہی ہے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: لاندع کتاب

ربنا وسنة نبينا بقول امرءة....“ [تقاریر ترمذی والبوداؤد: ۲۷۸ طبع تالیفات اشرفیہ ملتان]

عربی عبارت کا ترجمہ یہ ہے: ہم اپنے رب کی کتاب اور اپنے نبی کی سنت کو کسی عورت کے قول کی وجہ سے نہیں چھوڑ سکتے۔

(ج)..... اگر ”زبان دراز“ جملہ کا حوالہ صحیح ہے تو عرض ہے کہ یہ مرتب کی خطا معلوم ہوتی ہے، بالخصوص جب حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ نے اپنی ہی تقریر میں اس جملہ کی بجائے دوسرا جواب ارشاد فرما رہے ہیں۔

(د)..... علی زئی الزام کو ہم بالفرض درست خیال کر لیں تو سوال یہ ہے کہ گستاخ صحابہ ہونا ”جرح مفسر“ ہے؟ اس کی وجہ سے اس گستاخ کو ضعیف و متروک کہا جائے گا؟ اس کے جواب میں ہم خود علی زئی صاحب کی زبانی کچھ نقل کرتے ہیں۔ علی زئی صاحب لکھتے ہیں:

”علی بن الجعد مختلف فیہ راوی ہے، جمہور نے اس کی توثیق کی ہے، مگر یہ بھی مروی ہے کہ وہ عبد اللہ بن عمر،

معاویہ بلکہ عثمان رضی اللہ عنہم اجمعین پر سخت تنقید کرتا تھا، سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں اس کا عقیدہ

تھا کہ انہوں نے معاذ اللہ بیت المال سے ایک لاکھ درہم ناحق لیے تھے، سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی وہ تکفیر کا

قائل تھا، وہ کہتا تھا کہ مجھے یہ بُرائییں لگتا کہ اللہ تعالیٰ معاویہ کو عذاب دے۔“ [اوکاڑوی کا تعاقب: ۶۵]

علی زئی صاحب دوسری جگہ لکھتے ہیں:

”علی بن الجعد ثقہ علی الراجح... سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ پر سخت تنقید کرتا تھا وہ کہتا تھا: مجھے یہ بُرائییں لگتا کہ اللہ

معاویہ (رضی اللہ عنہ) کو عذاب دے... صحیح بخاری میں کی اس کی چودہ احادیث ہیں جو کہ متابعات میں

ہیں۔“ [تعداد رکعات قیام رمضان کا تحقیقی جائزہ: ۷۷]

علی زئی صاحب نے بخاری کے راوی علی بن الجعد کو گستاخ صحابہ قرار دینے کے باوجود اسے ”ثقہ و مستند“ راوی تسلیم کیا ہے معلوم ہوا کہ علی زئی صاحب کے نزدیک گستاخ صحابہ ہونے کی وجہ سے راوی ضعیف نہیں ہو جاتا۔

یہاں علی زئی صاحب کا دوہرا معیار بھی دیکھئے۔ وہ ایک طرف تو صحابی پر کفر کا فتویٰ لگانے والے کو ”ثقة“ راوی کہتے ہیں اور دوسری طرف صحابی کی طرف ”زبان درازی“ کی نسبت کرنے کو جرح مفسر کہہ کر قائل کو ضعیف و متروک قرار دینے پہ تلے ہوئے ہیں۔

علی زئی صاحب نے صحابی کی طرف ”زبان درازی“ کی نسبت کرنے کو ”جرح مفسر“ کہا ہے۔ ان کے آل غیر مقلدیت سے ہمارا مطالبہ ہے کہ وہ اسے ”جرح مفسر“ ثابت کریں۔

(ھ)..... کتب حدیث میں سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی طرف جو الفاظ منسوب کیے گئے ہیں ان میں سے چند یہاں نقل کرتے ہیں۔ سعید بن مسیب رحمہ اللہ نے ان کے متعلق کہا:

”انہا كانت لسنة“ [سنن ابوداؤد: ۳۱۳۱]

امام شافعی رحمہ اللہ نے ان کے متعلق کہا: ”لہا كانت تبذو علی اہلہا“ [ترمذی: ۲۲۳۱]

امام شافعی رحمہ اللہ اپنی کتاب میں فرماتے ہیں:

”قلت کان فی لسانہا ذرب فاستطالت علی احمائها استطالة تفاحشت۔“

[کتاب الام: ۱۱۷/۵]

ہم علی زئی صاحب کے ہم نوا لوگوں سے پوچھتے ہیں کہ سیدنا سعید رحمہ اللہ اور امام شافعی رحمہ اللہ کے بارے آپ کیا فرمائیں گے؟

(و)..... علی زئی صاحب کے نزدیک گستاخ صحابی ہونا جرح مفسر ہے، لہذا ان کے اس اصول کی وجہ وہ آل غیر مقلدیت ضعیف و متروک قرار پائیں گے جو صحابہ کرام کی گستاخی کے مرتکب ہیں۔ مگر حیرت کی بات ہے کہ وہ ان گستاخان صحابہ کو ضعیف و متروک کہنے کی بجائے ان کی مدح سرائی کرتے ہیں۔

☆..... رئیس محمد ندوی صاحب غیر مقلد نے اپنی کتابوں سلفی تحقیقی جائزہ: ۶۵۲۔ تنویر الآفاق: ۲۸۷ وغیرہ میں صحابہ کرامؓ کی بہت زیادہ گستاخی کی ہے۔ مگر علی زئی صاحب انہیں ”محقق الہدیث“ کہتے ہیں، چنانچہ آپ لکھتے ہیں: ”محقق الہدیث مولانا محمد رئیس ندوی حفظہ اللہ“ [الحدیث شمارہ ۱۷، صفحہ ۲۱]

☆..... ابوالاشبال شاغف صاحب غیر مقلد نے بھی گستاخی صحابہ کا ارتکاب کیا ہے۔ [مقالات شاغف:

۲۸۲] اس کے باوجود علی زئی صاحب نے انہیں مجتہد قرار دے کر ان کی ایک بات کو ”خطائے اجتہادی“ کا نام دیا ہے۔ [علمی مقالات: ۳۶۴/۵]

☆..... علی زئی صاحب کو یہ اعتراف ہے کہ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی طرف حدیثیں بھلا دینے کی نسبت کرنا اور معوذتین کی وجہ سے ان پر کلام کرنا گستاخی ہے۔ [الحدیث شمارہ: ۳۸، صفحہ ۶۴] مگر اس کے باوجود اس کے قائل آل غیر مقلدیت کو ضعیف و متروک کی کہنے کی بجائے انہیں اعزازی القاب دیتے ہیں۔

عبدالرحمن مبارک پوری غیر مقلد نے سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے بارے کہا کہ انہوں نے حدیثیں بھلا دیں تھیں۔ [تحفۃ الاحوذی رفع یدین کی بحث] علی زئی صاحب نے ان کو یوں خراج عقیدت پیش کیا: ”ہمارے دل میں..... علمائے حق مثلاً عبدالرحمن مبارک پوری رحمہم اللہ کا بہت احترام ہے۔ واللہ“

[علمی مقالات: ۲۵۱/۳]

ارشاد الحق اثری صاحب غیر مقلد نے سیدنا ابن مسعود رضی اللہ کی طرف معوذتین کے انکار کو منسوب کیا ہے۔ [تنقیح الکلام: ۱۴۸] اس کے باوجود علی زئی صاحب ان کے بارے میں لکھتے ہیں: ”پاکستان کے مشہور محقق اور اہلحدیث کے نامور عالم مولانا ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ“

[علمی مقالات: ۱۷۳/۲]

☆..... علی زئی کے استاذ محبت اللہ شاہ راشدی صاحب غیر مقلد نے سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ پر معوذتین کی وجہ سے کلام کیا ہے۔ [مقالات راشدیہ: ۲۶۰/۱] علی زئی صاحب نے ان کے بارے یوں تعریف کے پھول برسائے ہیں: ”اگر مجھے رکن و مقام کے درمیان کھڑا کر کے قسم دی جائے تو یہی کہوں گا کہ میں نے شیخنا محبت اللہ شاہ سے زیادہ نیک، زاہد اور افضل... انسان نہیں دیکھا۔“ [علمی مقالات: ۵۰۵/۱]

علی زئی صاحب کا دوہرا معیار ہے کہ ان کے نزدیک صحابی کی گستاخی جرح مفسر ہے، مگر غیر مقلدین کو صحابہ کرام کی گستاخی کرنے پر نہ صرف یہ کہ ضعیف و متروک نہیں کہتے بلکہ ان کی خوب مدح سرائی کرتے ہیں۔

تنبیہ: صحابہ کرام کی گستاخی کرنے والے آل غیر مقلدیت کی باحوالہ بحث کے لیے بندہ کے درج ذیل مضامین کا مطالعہ کریں۔

۱۔ صحابہ کے بارے میں غیر مقلدین کا نقطہ نظر ۲۔ خلفائے راشدین کے بارے میں غیر مقلدین کا نقطہ نظر ۳۔ اہل بیت کے متعلق غیر مقلدین کا نقطہ نظر ۴۔ وحید الزمان کی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی گستاخیاں ۵۔ دفاع صحابہ کی بجائے دفاع وحید الزمان ۶۔ سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ غیر مقلدین کی نظر میں ۷۔ تنقیص صحابہ اور آل غیر مقلدیت وغیرہ۔ یہ مضامین مختلف رسائل میں شائع ہو چکے ہیں۔ آئندہ انہیں ہم اپنی زیر ترتیب کتاب ”عقائد آل غیر مقلدیت“ میں شامل کریں گے، ان شاء اللہ۔

۱۸۹

حضرت گنگوہی کا مقام و مرتبہ ملاحظہ فرمائیں! محمد اسحاق بھٹی صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں: ”جنہوں نے فارغ التحصیل ہونے کے بعد فضل و کمال کے مختلف اہم گوشوں میں شہرت پائی اور نامور ہوئے۔ ان بزرگان عالی قدر میں درج ذیل حضرات خصوصیت سے قابل ذکر ہیں:..... مولانا رشید احمد

گنگوہی۔“ [فقہائے پاک وہند: ۳/۳۳۱]

حافظ رشید احمد لاہوری صاحب غیر مقلد حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کو ”بلند پایہ ارباب علم“ کا پیر و مرشد مانتے ہیں۔ چنانچہ وہ آپ کے متعلق لکھتے ہیں:

”بے شمار علمائے دیوبند آپ کے خلفاء اور مستفیدین میں شامل ہیں، جن میں مولانا خلیل احمد سہارن پوری رحمۃ اللہ علیہ، شیخ الہند مولانا محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا حسین احمد صاحب مدنی رحمۃ اللہ علیہ جیسے بلند پایہ ارباب علم نمایاں ہیں۔“ [الاحیاء: ۲۰۱۳ء: ۴۳]

عمر فاروق قدوسی صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں:

”مولانا گنگوہی ایسے یگانہ روزگار فاضل“ [الحدیث پر مزید کرم فرمائیاں: ۱۲]

صلاح الدین مقبول احمد صاحب غیر مقلد، حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کے متعلق لکھتے ہیں:

”آخری بار حجاز سے لوٹنے کے بعد اپنے تمام تر وقت کو کتب ستہ [حدیث کی چھ مشہور کتابیں بخاری، مسلم، نسائی، ترمذی، ابوداؤد اور ابن ماجہ: ناقل] کی تدریس کے لیے وقف فرمادیا۔“

[تقدیم: اللہ مات: ۴۳]

عبد الجبار سلفی صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں:

”احناف دیوبند کے سرکردہ مولانا مولوی رشید احمد گنگوہی ہیں آپ باوجود صوفی منش ہونے کے

عالم و محدث بھی تھے۔“ [فتاویٰ ثنائیہ: ۱/۳۵۶]

علی زئی صاحب کے دادا استاد ثناء اللہ امرتسری صاحب غیر مقلد نے حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کو

”مجتہد“ تسلیم کیا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

”معرفت دلیل اس کو کہتے ہیں کہ دلیل کو پورے طور پر جاننا بالفاظ دیگر یہ جاننا کہ اس کا معارض

کوئی نہیں اور یہ منسوخ بھی نہیں وغیرہ۔ ایسا جاننا مجتہد کا خاصہ ہے... مولانا رشید احمد گنگوہی مرحوم... وغیرہ

اکابر علمائے حنفیہ کو بھی دلیل کی معرفت تامہ حاصل تھی یا نہ تھی؟ واللہ مجھے اس کی نفی کرتے ہوئے جھجک محسوس

ہوتی ہے کیونکہ ایسا خیال کرنا ان بزرگوں کی ہتک سمجھتا ہوں۔“ [فتاویٰ ثنائیہ: ۱/۲۶۶]

۱۹۰

(الف)..... علی زئی صاحب نے ”بانی اسلام کا ثانی“ جملہ کو جرح مفسر بنا کر پیش کیا ہے، انہیں چاہیے تھا کہ

وہ اس کا جرح مفسر ہونا ثابت کرتے مگر وہ ایسا نہیں کر سکے۔

(ب)..... آل غیر مقلدیت کو یہ بات تسلیم ہے کہ حضرت گنگوہی رحمہ اللہ ”عالم دین“ ہیں۔ دیکھئے حاشیہ

۱۸۹۔ اور علماء کو انبیاء کا وارث خود حدیث میں کہا گیا ہے: العلماء ورثة الانبیاء .

یہاں ”بانی اسلام کا ثانی“ میں ثانی سے مراد ”وارث“ ہے یعنی حضرت گنگوہی رحمہ اللہ بہ حیثیت مستند عالم دین ہونے کے رسول اللہ صلی اللہ وسلم کے وارث ہیں۔

(ج)..... اب ذرا آل غیر مقلدیت کی عبارات بھی ملاحظہ فرمائیں!

غیر مقلدین کی جماعت ”غرباء اہل حدیث“ کے امام عبد الوہاب صاحب نے کہا:

”امام وقت نائب نبی ہوتا ہے“ (مقاصد الامامة: ۱۱، مشمولہ رسائل الہمدیث جلد اول) عبد

الوہاب مذکور کے بارے میں ان کے شاگرد عبد الجبار کھنڈیلوی صاحب لکھتے ہیں:

”آپ خلیفہ اور نبی میں فرق نہیں کرتے جب ہی آپ موسیٰ و ابراہیم نبی کو پیش کر کے اُن پر اپنے

آپ کو قیاس کرتے ہیں۔“ [مقاصد الامامة: ۱۲]

پروفیسر عبد اللہ بہاول پوری صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں:

”اہل حدیث ہونے کی وجہ سے وارث اور خلیفہ رسول بھی ہم تھے۔“ [رسائل بہاول پوری: ۵۷۰]

بہاول پوری صاحب مزید لکھتے ہیں: ”الہمدیث کہلا کر ہم وارث بنے ہیں“ [رسائل بہاول پوری: ۵۷۲]

آگے لکھتے ہیں:

”الہمدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وارث اور خلیفہ کو کہتے ہیں“ [رسائل: ۵۷۲]

اگلے صفحہ پہ لکھتے ہیں:

”نبی کے وارث ہونے کی وجہ سے ہم امام ہیں“ [رسائل بہاول پوری: ۵۷۳]

پڑھتے جائیں: ”الہمدیث ہونے کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جائز وارث اور خلیفہ ہم تھے۔“

[رسائل بہاول پوری: ۵۷۶]

آگے پڑھئے: ”الہمدیث ہی وارث رسول ہیں۔“ [رسائل بہاول پوری: ۵۹۵]

یہ تو تحریر کی باتیں تھیں اب ذرا تقریری اقتباس کی طرف آئیے، بہاول پوری صاحب فرماتے ہیں:

”ہر انسان خدا کا خلیفہ ہے، اللہ کا نائب ہے، اللہ کا وائسرائے ہے۔“

[خطبات بہاول پوری: ۶۷/۱، خطبہ نمبر ۲]

اگر کسی انسان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خلیفہ یا ثانی کہنا قابلِ اعتراض ہے تو آل غیر

مقلدیت کی مذکورہ عبارات کے جواز کی کیا دلیل ہے؟

۱۹۱

بعض مسائل ایسے ہوتے ہیں انہیں ایک حیثیت سے اجتہادی مسائل کہتے ہیں اور دوسرے اعتبار

سے حدیث کا فیصلہ۔ مجتہد حدیثوں کے ظاہری تعارض کا حل پیش کرتا ہے۔ ایسی حدیثوں کے درمیان تطبیق

دیتا ہے یا ان میں سے منسوخ اور نسخ کی نشاندہی فرماتا ہے وغیرہ۔

اس رفع تعارض، تطبیق اور نسخ وغیرہ والے عمل کی وجہ سے مسئلہ کو اجتہادی کہہ کر قول مجتہد کہا جاتا ہے لیکن چونکہ وہ مسئلہ دراصل حدیث ہی کا ہوتا ہے اس لیے حدیث کے اس مسئلہ کو قول رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کہنا درست ہوتا ہے۔

مثلاً متعدد مجتہدین کا قول ہے کہ قضائے حاجت کے وقت قبلہ کی طرف رخ اور پشت نہ کرو... جب کہ یہی فرمان نبوی بھی ہے۔ (بخاری و مسلم)

حالاتِ احرام میں نکاح کا جائز ہونا کئی مجتہدین کا قول ہے مگر اس پر مستقل حدیث بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا تو آپ حالتِ احرام میں تھے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

اب ہم کچھ مثالیں غیر مقلدین کے ذوق کی نقل کر کے اپنی بات کو واضح کرتے ہیں ان مثالوں سے ہمارا اتفاق ضروری نہیں۔

اس سلسلہ کی ابتدا خود علی زئی صاحب کے کلام سے کرتے ہیں۔ آپ لکھتے ہیں:

”رکوع کے بعد قیام میں ہاتھ باندھنے چاہئیں؟ یہ مسئلہ اجتہادی ہے اور دونوں طرح عمل جائز ہے۔“ [علمی مقالات جلد ۱/ ۲۸۸]

علی زئی صاحب یہاں اسے اجتہادی مسئلہ بتا رہے ہیں مگر دوسرے مقام پر اسے حدیث کا مسئلہ ظاہر کرتے ہیں چنانچہ لکھتے ہیں:

”عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:..... ہاتھ کا ہاتھ پر رکھنا سنت ہے۔“

[علمی مقالات: ۱/ ۲۹۷]

غیر مقلدین کو خاص کر اصرار ہے کہ جب صحابی کسی عمل کو ”سنت“ کہے تو مراد سنت نبوی ہوتی ہے۔

[تیسیر الباری: ۲/ ۲۹۴۔ مقلدین ائمہ کی عدالت میں: ۲۸۳]

علی زئی صاحب کے ”شیخ الاسلام“ محمد گوندلوی صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں:

”ہمارا تو یہ مسلک ہے فاتحہ خلف الامام کا مسئلہ فرعی اختلافی ہونے کی بناء اجتہادی ہے، پس جو شخص حتی الامکان تحقیق کرے اور یہ سمجھے کہ فاتحہ فرض نہیں خواہ نماز جہری ہو یا سری اپنی تحقیق پر عمل کرے تو اس کی نماز باطل نہیں ہوتی“ [خیر الکلام: ۳۴]

گوندلوی صاحب نے یہاں فاتحہ خلف الامام کو ”اجتہادی مسئلہ“ قرار دیا مگر دوسرے مقام پر لکھتے ہیں:

آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کا قول جو فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں ہوتی...“ [خیر الکلام: ۳۴]

گوندلوی صاحب نے فاتحہ کے ضروری ہونے کو اجتہادی مسئلہ بھی کہا اور اسے قول رسول بھی باور کرایا ہے۔
ارشاد الحق اثری صاحب غیر مقلد خیر الکلام سے مذکورہ بالا عبارت نقل کر کے حرف بہ حرف اس کی
تصدیق کرتے ہیں۔ (توضیح الکلام صفحہ ۱۷) مگر فاتحہ پڑھنے کو فیصلہ نبوی بھی کہتے ہیں بلکہ بزعم خود اسے فیصلہ
نبوی باور کرانے کے لیے کتاب بھی شائع کرتے ہیں۔

علی زئی صاحب توضیح الکلام کو ”لا جواب“ کتاب کہتے ہیں۔ [نور العینین صفحہ ۷۲ طبع ۲۰۰۶ء]
خلفائے راشدین کے متعلق غیر مقلدین کے ”فتاویٰ“ میں لکھا ہے:

”جہاں کہیں ان کے اپنے اجتہادات کا ذکر ہے وہ کتاب وسنت سے خارج نہیں ہیں بلکہ بتصریح
یا بتلویح کتاب وسنت میں موجود ہیں“ [فتاویٰ علمائے حدیث: ۶/۲۹۵]

یہاں خلفائے راشدین بالفاظ دیگر مجتہدین کے قول کو اللہ و رسول کا صریح فیصلہ قرار دیا گیا ہے۔
عبدالرحمن کیلانی صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں:

”سماع موتی کا مسئلہ ایک اجتہادی مسئلہ ہے“ [روح، عذاب قبر اور سماع موتی: ۱۴۲]
کیلانی صاحب سماع موتی کو ”اجتہادی مسئلہ“ کہنے کے باوجود اسے قرآنی مسئلہ بھی کہتے ہیں چنانچہ لکھتے ہیں:
”قرآن کریم کے اس واضح ارشاد کہ ”مُر دے نہیں سن سکتے“ کے مطابق...“ [حوالہ مذکورہ: ۵]
ہم پھر عرض کرتے ہیں کہ قول مجتہد کو قول رسول کہنے کی جو اوپر غیر مقلدین کی طرف سے مثالیں
دی ہیں یہ انہیں سمجھانے کے لیے ہیں اُن سے ہمارا متفق ہونا ضروری نہیں۔

۱۹۲

”جمہور اہلحدیث“ کے جرح کرنے کا دعویٰ تو کر دیا مگر جمہور کے جارحانہ اقوال نقل نہیں کر سکے اور
خود ہی جرح کرنے بیٹھ گئے ہیں۔

بالفرض غیر مقلدین نے جرح کی بھی ہوتی تب بھی مخالف کی جرح ہونے کی وجہ سے علی زئی کے
اصول کی رو سے غیر معتبر ہوتی۔ وہ لکھتے ہیں:

”ایسے لوگوں کی تصحیح و تحسین کا کیا اعتبار ہے جو بذات خود فریق مخالف کی حیثیت رکھتے ہیں۔“

[توضیح الاحکام: ۱/۳۵۰]

جمہور اہلحدیث کی طرف سے جرح کا دعویٰ ایسا ہے جس پر علی زئی صاحب دلیل نہیں دے
سکے۔ اس کے برعکس ہم بہت سے آل غیر مقلدیت کی طرف سے حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کی توثیق یا تعریف
پیچھے (حاشیہ ۳۹) میں نقل کرائے ہیں۔

۱۹۳ اگر سیاسی ہے تو بھی غیر مقلدین کو قبول ہونا چاہیے کیونکہ ان کا دعویٰ ہے کہ ہماری سیاست قرآن و

حدیث والی ہے۔ پروفیسر عبداللہ صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں:

”الہجدیث ایک دینی جماعت ہے جس کی اپنی سیاست ہے جو قرآن و حدیث کے عین مطابق ہے یہ جماعت اسلامی یا مسلم لیگ یا کسی بھی دینی جماعت کی طرح سیاسی جماعت نہیں“ [رسائل: ۵۸۹]

دوسری جگہ لکھتے ہیں:

”الہجدیث کی سیاست امارت و خلافت کی سیاست ہے جس کی اسلام میں بڑی اہمیت ہے۔“

[حوالہ مذکورہ، ص: ۵۹۰]

۱۹۴

ثناء اللہ امرتسری صاحب نے اپنی سیاست کو ”اسلامی و مذہبی سیاست“ کہا ہے وہ لکھتے ہیں:

”اسلام... اخلاقِ فاضلہ کے علاوہ سیاست کی تعلیم دیتا ہے اسی لیے خلافتِ راشدہ کے زمانے میں یہ سب کام علمائے اسلام کے ذمے ہوتے تھے... مذہبی طبقہ میں ضرورت محسوس ہوئی کہ سیاسیات کو مذہبی رنگ میں دکھانے کے لیے علماء کی جماعت قائم ہونی چاہیے... اسی مجلس علماء میں میں نے یہ تجویز پیش کی کہ سیاسیات میں مذہبی رہنمائی کے لیے علماء کی ایک جماعت ہمیشہ کے لیے منظم ہونی چاہیے... ضروریاتِ قومی اور مذہبی کے لیے مسلمانوں کی شرعی عدالتیں قائم کی جائیں جو حسب قانونِ شریعت فیصلہ کیا کریں۔“

[فتاویٰ ثنائیہ: ۱/۳۵ تا ۳۷]

۱۹۵

علی زئی صاحب، ثناء اللہ امرتسری صاحب کے بیان کو سیاسی ہونے کی وجہ سے رد کر رہے ہیں جس سے یہ تاثر ملتا ہے کہ غیر مقلدین کے حلقہ میں ”سردار الہجدیث“ کا لقب پانے والے بزرگ بے دین لوگوں والی سیاست کے حامل تھے جبکہ پروفیسر عبداللہ بہاول پوری کے بقول الہجدیث کی سیاست قرآن و حدیث کے مطابق ہوتی ہے اور خود امرتسری صاحب نے اپنی سیاست کو ”اسلامی و مذہبی سیاست“ قرار دیا ہے لہذا علی زئی صاحب کا اسے محض سیاسی کہہ کر ٹالنا صحیح نہیں۔

دوسری بات یہ ہے امرتسری صاحب نے سیاسی بیان کے علاوہ بھی حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کے مقام و مرتبہ کو تسلیم کیا ہے مثلاً وہ کہتے ہیں کہ دیوبند میں میرے ”شیخ الحدیث“ مولانا محمود حسن تھے۔

[بزمِ ارجنداں: ۶۴، محمد اسحاق بھٹی]

امرتسری صاحب نے یہ بھی کہا کہ:

”دارالعلوم دیوبند کی سند میرے لیے باعثِ فخر موجود ہے۔“ [رسائل ثنائیہ: ۹]

اسی طرح دیگر بھی بہت سے آل غیر مقلدیت نے حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کو خراج عقیدت پیش کیا

ہے، دیکھئے حاشیہ ۳۹۔

کیا ان سب غیر مقلدین کے فرمودات کو ”سیاسی“ کہہ کر رد کر دیا جائے گا اگرچہ وہاں سرے سے سیاست کی کوئی بات بھی نہ ہو۔

۱۹۶

حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کی توثیق و تعریف کو حاشیہ ۳۹ میں ہم نے غیر مقلدین کے حوالوں سے ثابت کیا ہے ان میں ایک حوالہ بھی دیوبندی کا نہیں لہذا دیوبندیوں کو کوسنا غلط ہے۔

..... ہم کہتے ہیں فتاویٰ ثنائیہ میں اسلامی و مذہبی سیاست کی وضاحت ہے اسے بے دین سیاست کی بھیٹ چڑھا کر رد کرنا بھی علیٰ زنی جیسے لوگوں کا کام ہے۔

اسی طرح حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کے متعلق دعویٰ کر دینا کہ ان پر جرح مفسر ثابت ہے اور یہ کہ وہ جمہور کے نزدیک ضعیف و متروک ہیں مگر اسے ثابت نہ کر سکتا بھی علیٰ زنی جیسے انسان کا طرز عمل ہے۔

(جاری ہے۔۔۔۔)

☆.....☆.....☆.....☆

مکمل علاج، مکمل خوراک

قیمت 3000 روپے
وزن 600 گرام

اعصاب کیلئے بہترین آزمودہ نسخہ

مجموع قوت

اعصاب زعفرانی

فیل

طب اسلامی کا ایک معروف مرکب جو انتہائی قیمتی اور مفید اجزاء پر مشتمل ہے۔

☆ اس کا مستقل استعمال جسم کو درست و توانا اور شباب کو برقرار رکھنے کا ضامن۔

☆ پٹھوں کی کمزوری اور جسمانی تھکاوٹ کیلئے انتہائی مفید۔

☆ عام جسمانی اور اعصابی کمزوری دور کرنے کا مجرب نسخہ۔

☆ ہضم کی درستگی اور پیدائش خون میں اضافہ کا ضامن۔

زعفران	جائفل	ناگرموتھ	مغز بندق
مصطکی	جلوتری	تج	مغز بنولہ
مروارید	دارچینی	اکر	الایچی خورد
ورق طلا	لونگ	مانیں	الایچی کلاں
ورق نقرہ	گوند کیکر	جڑ موگے	ترنجبین
مغز چاغوزہ	گوند کیتیرہ	رس کٹوائی	بہمن سفید
مغز بادام	جوہر آہن	شکوفہ اذخر	کشید چاندی
آرد خرما	سنگھاڑا	پنچ کاسنج	مالچر

معیار اور مقدار کے ضامن

ہر موسم، ہر عمر کے حضرات کیلئے یکساں مفید

جناب ارشاد الحق اثری غیر مقلد..... اپنی تحریرات کے آئینہ میں

.....قسط نمبر ۲.....

صحیح مسلم شریف کی ایک اور روایت پر تنقید:

موصوف اثری صاحب رقمطراز ہیں:

”چنانچہ صحیح مسلم باب ما یفعل بالہدی اذا عطب فی الطريق [۲۷۱:۲] میں ایک روایت اس سند سے منقول ہے: ”حدثنی ابو غسان المسمعی حدثنا عبد الاعلیٰ حدثنا سعید عن قتادة عن سنان بن سلمة عن ابن عباس“ الخ۔ امام دارقطنی فرماتے ہیں: ”قتادہ نے سنان سے سنا نہیں“۔ [الاضامات: ۷۸] علامہ الخرزجی لکھتے ہیں کہ: ”مسلم کی یہ روایت معلول ہے کہ قتادہ نے سنان سے نہیں سنا، جیسا کہ ابن قطان اور ابن معین نے کہا ہے“۔ [الخلاصة: ۱۳۵/۱]

مزید دیکھیے نصب الراية ۱/۲۲۶، غرر فوائد المجموعة: ص: ۳۸۰، ۳۸۳، تحفة الاشراف: ۱۳۵/۳۔
لیجیے جناب! اس روای کو امام بیہقی، ابن معین، ابن حبان دارقطنی وغیرہ نے معلول قرار دیا ہے اور صراحت کی ہے کہ قتادہ نے سنان سے یہ روایت نہیں سنی بلکہ اس سے ملاقات ہی نہیں۔“ (توضیح: ۷۰۲، ۷۰۳)
لیجیے جناب! مسلم شریف کی یہ روایت بھی معلول ہے، نہ یہاں صحیحین کی عظمت ملحوظ رہی اور نہ ہی اپنا مسلم اصول (صحیحین کی تمام مسند احادیث صحیح اور انہیں تلقی بالقول حاصل ہے) پیش نظر رہا۔ اثری صاحب کا پسندیدہ شعر حاضر خدمت ہے۔

دونوں عالم سے دل مضطر نے تجھ کو کھو دیا

ہو گئی اس کی بدولت آبرو، پانی تیری

(مولانا سرفراز صفدر اپنی تصانیف کے آئینہ میں: ۲۶ نومبر ۲۰۰۸)

صحیح مسلم شریف کی ایک اور روایت پر نظر عنایت:

جناب ارشاد الحق اثری صاحب تحریر فرماتے ہیں:

”اس لیے ”فصاعداً“ اور ”ما زاد“ اور سورۃ معها وغیرہ کی جو ضعیف اور شاذ روایات جناب صفدر صاحب

نے پیش کی ہیں۔ [حاشیہ توضیح الکلام: ۱۳۹]

نیز اثری صاحب کی یہ عبارت بھی پیش نظر رہے جو انہوں نے اعتراض ”اس حدیث کے آخر میں ”فصاعداً“ کے الفاظ مروی ہیں اور یہ زیادت امام معمر سے صحیح مسلم، ابوعوانہ اور نسائی وغیرہ میں بسند صحیح مروی ہے۔ اور امام معمر ثقہ اور حجت ہیں۔“ کے جواب میں رقم فرمائی:

”ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ امام معمر بلاشبہ ثقہ اور ثبت تھے، مگر محدثین کی تصریحات کے مطابق بعض روایات میں ان سے خطا ہوئی ہے۔“ [توضیح الکلام: ۱۳۱]

چند صفحات آگے چل کر لکھتے ہیں:

”اگر اس حدیث کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو بھی ”فصاعداً“ کے لفظ سے مازاد علی الفاتحة کی فرضیت ثابت نہیں ہوتی۔ [توضیح الکلام: ۱۳۶]

اثری صاحب نے حضرت مولانا سرفراز خان صفدر کے متعلق لکھا:

”کہاں یہ اصول کہ صحیحین کی جملہ روایات بالاجماع صحیح ہیں اور کہاں یہ جسارتیں کہ بخاری کی فلاں روایت مضطرب ہے، فلاں فلاں مرفوع نہیں بلکہ موقوف صحیح ہیں۔ مسلم کی فلاں حدیث شاذ و منکر ہے اور فلاں فلاں حدیث میں راوی نے غلطی کی ہے۔“ [--- آئینہ میں: ۳۱]

اور یہی بات انہی الفاظ سے ہم جناب اثری صاحب سے کہنے کی جسارت کرتے ہیں کہ:

کہاں یہ اصول ”ائمہ فن کا اتفاق ہے کہ صحیحین کی احادیث مقطوع بالصحیح ہیں“ اور کہاں یہ جسارتیں کہ مسلم کی فلاں روایت معلول ہے اور فلاں حدیث منقطع ہے اور فلاں حدیث میں راوی نے غلطی کی ہے۔ صحیح مسلم کی ایک اور حدیث پر نقد:

جناب ارشاد الحق اثری صاحب لکھتے ہیں کہ:

”صحیح مسلم میں اس روایت کا ہونا اس کی صحت کی دلیل کے لیے کافی ہے۔“ [پرویزی تھلیک: ۱۳۳]

قارئین کرام! مذکورہ عبارت غور سے پڑھ لی آپ نے؟ اثری صاحب کتنی بڑی بات ارشاد فرما گئے کہ: ”صحیح مسلم میں روایت کا ہونا اس کی صحت کی دلیل کے لیے کافی ہے۔“ یعنی صحیح مسلم میں آنے والی روایت کی صحت کے ثبوت کے لیے ادھر ادھر جانے کی ضرورت نہیں بلکہ روایت کا صحیح مسلم میں آجانا ہی صحت کی دلیل کے لیے کافی ہے، لیکن ہمارے ارمان اُس وقت ٹوٹ گئے جب ہم نے دیکھا کہ اثری صاحب کا واسطہ ایک ایسی روایت سے پڑا جو جناب کے موقف کے موافق نہ تھی تو اثری صاحب بے جا مسلکی حمایت کی رو میں بہہ گئے اور اس روایت پر نقد کر گئے۔ ”مظلوم“ روایت اور اُس پر اثری صاحب کا تبصرہ ملاحظہ فرمائیے:

”حضرت عطاء بن یسار فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت زیدؓ سے سوال کیا، کیا امام کے ساتھ قراءت کی

جاسکتی ہے؟ تو انہوں نے فرمایا: لا قراءۃ مع الامام فی شیء۔ [مسلم: ۲۱۵/۱، طحاوی: ۱۲۴/۱ وغیرہ]

کہ امام کے ساتھ کسی نماز میں قراءت نہیں، یہ اثر سنداً محل نظر ہے۔“ [توضیح الکلام: ۹۹۳]

مذکورہ عبارات سے یہ بات واضح ہو رہی ہے کہ اثری صاحب کا مقصود احادیث بخاری و مسلم کا دفاع

نہیں اور نہ ہی انصاف کے ساتھ تحقیق مطلوب ہے، بلکہ مطلوب و مقصود صرف اپنے مسلک کا بچاؤ ہے۔ اسی

لیے تو کبھی صدالگاتے ہیں کہ امام مسلم کا روایت کو اپنی کتاب میں ذکر کر دینا اس کی صحت کی دلیل ہے۔ (دیکھیے

عبارت [د]) اور کبھی مسلم شریف کی روایت پر بڑی بے دردی سے جرح کے نشتر چلانا شروع کر دیتے ہیں۔

صحیح مسلم کی ایک اور حدیث:

صحیح مسلم شریف میں وارد حضرت ابن عباسؓ کی طلاق ثلاثہ والی روایت کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:

”اسے بھی تو صرف حضرت ابن عباسؓ ہی روایت کرتے ہیں، اور ان کے تلامذہ میں طاؤس کے علاوہ اور

کوئی بھی اسے بیان نہیں کرتا بلکہ سعید بن جبیر، عطاء، مجاہد، عکرمہ، عمرو بن دینار وغیرہ حضرت ابن عباسؓ کا

فتویٰ اس کے برعکس روایت کرتے ہیں۔ علماء کی ایک جماعت نے طاؤس کے اس تفرد پر کلام کرتے

ہوئے اسے شاذ اور منکر قرار دیا ہے۔“ [پرویزی تھلیک کا علمی محاسبہ: ۹۶]

حدیث ابن عباس کے متعلق اثری صاحب کی تحقیق آپ کے سامنے ہے۔ ہم سامنے اثری صاحب

کی ایک اور عبارت پیش کرتے ہیں تاکہ ہمارا مقصد مزید واضح ہو جائے۔ اثری صاحب فرماتے ہیں:

”حضرت مولانا صفدر صاحب نے عمدۃ الاثاث میں اس (حدیث ابن عباس۔ ناقل) پر مختلف مختلف

اعتراضات کیے ہیں، جن کا خلاصہ یہ ہے کہ اس روایت کو بیان کرنے میں طاؤس منفرد ہیں۔ علامہ ابن

عبدالبر نے کہا ہے کہ مسلم کی یہ روایت وہم اور غلط ہے۔ امام قرطبیؒ فرماتے ہیں: یہ حدیث مضطرب ہے کہ

امام ابن العربیؒ اور علامہ النحاسؒ نے بھی اس پر کلام کیا ہے۔ [عمدۃ الاثاث: ۷۷، ۷۸]

صحیح مسلم کی یہ روایت ہمارا موضوع نہیں، ہمیں تو صرف یہ بتلانا ہے کہ صحیح بخاری و مسلم کی تمام

احادیث کو صحیح ماننے کے باوجود بخاری و مسلم کی ان احادیث کو ضعیف قرار دیا جاتا ہے جو صفدر صاحب کے

مسلک کے مخالف ہیں۔“ [..... تصانیف کے آئینہ میں: ۳۰]

قارئین کرام! اثری صاحب کی دونوں عبارتیں ہم نے آپ کے سامنے پیش کر دی ہیں۔ اب ان

دونوں عبارتوں کا آپس میں موازنہ خود فرمائیں، ان شاء اللہ نتیجہ بالکل نکھر کر آپ کے سامنے آجائے گا۔

جناب ارشاد الحق اثری صاحب رقمطراز ہیں:

بعض اہل علم نے ان الفاظ کو صرف اس بناء پر صحیح باور کر لیا کہ یہ صحیح بخاری میں ہیں مگر یہ صحیح نہیں جبکہ صحیح بخاری و مسلم میں شیخین ایسی حدیث کو بھی لے آتے ہیں جو مقصود کے اعتبار سے تو صحیح ہوتی ہے (یعنی من حیث المجموع) اگرچہ کوئی کلمہ اس کا ان کے معیار صحت کے مطابق نہیں ہوتا بلکہ اس میں بعض رواۃ کا وہم ہوتا ہے۔“ (توضیح الکلام: ۱۳۱، ۱۳۲)

اور اثری صاحب اپنی دوسری کتاب میں قلم کو یوں حرکت دیتے ہیں:

”امام بخاریؒ نے جو معمر کی روایت و صلی علیہ ذکر کی اسی بنا پر غالباً حافظ ابن حجرؒ سمجھ رہے ہیں کہ امام بخاریؒ اس زیادت کو شواہد کی بنا پر صحیح سمجھتے ہیں، حالانکہ ایسا قطعاً نہیں۔ امام بخاریؒ صحیح بخاری میں ایسی روایت لے آتے ہیں جو من حیث المجموع مقصود کے اعتبار سے صحیح ہوتی ہے اگرچہ اس کا کوئی حصہ صحت کے معیار پر نہیں ہوتا اور نہ ہی اس حصہ سے ان کا استدلال ہوتا ہے۔“ (تنقیح الکلام: ۳۰۸)

اثری صاحب اگلے صفحہ پر لکھتے ہیں:

”حافظ ابن حجرؒ نے جن شواہد کی طرف اشارہ کیا ہے وہ ”شواہد“ نہیں ایک شاہد ہے اور وہ بھی ابوامامہ بن سہل بن حنیف سے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رجم کے دن نہیں بلکہ دوسرے دن حضرت ماعظؓ پر نماز جنازہ پڑھی تھی۔ حضرت ابوامامہ جن کا نام اسعد تھا، صفار صحابہ میں شمار ہوتے تھے اور ان کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت مرسل قرار دی گئی ہے۔۔۔ لہذا جب یہ روایت مرسل ہے تو یہ صحیح روایت کے مقابلے میں جس میں جنازہ نہ پڑھنے کا ذکر ہے کیونکر قابل قبول ہو سکتی ہے۔“ (فتح الکلام: ۳۰۹)

اور اثری صاحب نے تو یہاں تک لکھ دیا:

”مگر محدود کی نماز جنازہ پڑھنا اور آنحضرت ﷺ کا جناب ماعزؓ کا جنازہ پڑھنا دونوں میں فرق ہے۔ صحیح روایت میں نہ پڑھنے کا ذکر ہے۔ علامہ ابن العربی نے بھی کہا ہے ”لَمْ يَثْبُتْ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ صَلَّى عَلَى مَاعِزٍ“۔ (فتح الباری: ۶۳۱/۱۲) ”کہ یہ ثابت نہیں کہ نبی ﷺ نے ماعزؓ کا جنازہ پڑھا ہو۔“ (تنقیح: ۳۱۰)

فیصلہ کن عبارت تو ان شاء اللہ آنے والی دو روایات کے بعد پیش کریں گے، سر دست اثری صاحب کے ایک مسلکی بھائی کی اثری صاحب کے رد میں لکھی جانے والی ایک اہم عبارت کا مطالعہ فرمائیے، چنانچہ اثری صاحب کے مسلکی بھائی اور فاضل دوست حافظ زبیر علی زئی صاحب کے شاگرد خاص حافظ ندیم ظہیر صاحب تحریر فرماتے ہیں:

”صحابہ کی مراد بھی صحیح اور حجت ہیں، لہذا اس روایت کے ساتھ صحیح بخاری کی مشارالہ حدیث بھی صحیح ہو جاتی ہے اور صحیح بخاری کی اس حدیث پر مولانا ارشاد الحق اثری صاحب وغیرہ کی جرح باطل و مردود ہے۔ صحیح بخاری صحیح مسلم کی احادیث پر حملہ کرنے کے بجائے ان کتابوں کا دفاع کرنا اہل حدیث کا شعار ہے۔“

[ماہنامہ اشاعت الحدیث مدیر حافظ زبیر علی زئی ص: ۱۹: اش: ۱۰۴]

صحیح بخاری کی ایک اور روایت:

موصوف ارشاد الحق اثری صاحب تحریر فرماتے ہیں:

”مثلاً ولید بن عقبہ پر حد کے حوالے سے صحیح بخاری میں حضرت عثمانؓ کے مناقب میں یونس عن الزہری عن عروہ کی سند سے ذکر ہے کہ حضرت عثمان نے حضرت علی سے فرمایا اے اسی (۸۰) کوڑے لگائے جائیں حالانکہ یہی روایت باب ہجرة الحبشة میں معمر عن الزہری کی اسی سند سے مروی ہے جس میں چالیس کوڑے لگانے کا ذکر ہے اور حافظ ابن حجرؒ نے لکھا ہے کہ معمرؒ کی روایت صحیح ہے اور یونس کی روایت اسی (۸۰) کوڑوں کے ذکر میں یونس کے شاگرد شعیب بن سعید کا وہم ہے۔“ (تنقیح الکلام: ۳۰۸)

اثری صاحب کی زبان میں عرض ہے کہ: لیجیے جناب! صحیح بخاری کی اس روایت میں بھی راوی وہم کا شکار ہو گیا اور بات چالیس کوڑوں سے ۸۰ تک جا پہنچی۔

صحیح بخاری کی ایک اور حدیث:

جناب اثری صاحب نے لکھا ہے:

”حدیث معراج میں شریک بن عبد اللہ بن ابی نمر کا وہم بھی معروف ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسے امام بخاریؒ نے آپ ﷺ کے مناقب (ج: ۵۰۴/۱) میں اور کتاب التوحید، باب قول اللہ (و کلم اللہ موسیٰ تکلیما) (ج: ۱۱۲۰/۲) میں تو ذکر کیا ہے، باب المعراج میں نہیں۔“ (تنقیح الکلام: ۳۰۸)

لیجیے جناب! بخاری شریف کی حدیث معراج بھی راوی کے وہم سے محفوظ نہ رہ سکی۔

قارئین کرام! صحیح بخاری کی تین روایات کے متعلق اثری صاحب کی ”تحقیقات“ آپ کے سامنے ہیں۔ اپنے مقصود کو مزید نکھارنے کے لیے اثری صاحب کی ایک ایسی عبارت پیش کرتے ہیں جو ”آئینہ“ کو پہلے سے زیادہ شفاف بنا دے گی تاکہ موصوف کو اپنا چہرہ دیکھنے میں ذرہ بھی دقت پیش نہ آئے۔ امام اہل سنت حضرت مولانا سرفراز خاں صفدرؒ کی عبارت ”یہ روایت بعض راویوں کی غلطی سے بگڑ گئی ہے۔ اصل الفاظ یہ تھے: لم یکن معہ احد غیرى، تو ”غیری“ بعض راویوں سے چھوٹ گیا ہے، نقل کر کے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے اثری صاحب فرماتے ہیں:

”یہی بات حضرت موصوف نے عمدة الاثاٹ (ص: ۸۹) میں بھی فرمائی۔“ نتیجہ صاف ہے کہ صحیح مسلم کی یہ

روایت درست نہیں، راوی کی غلطی سے ”غیری“ کا لفظ چھوٹ گیا۔“ (..... آئینے میں: ۳۰)

اثری صاحب کے مذکورہ اصول کے پیش نظر عرض ہے کہ:

(۱)..... نتیجہ صاف ہے کہ صحیح بخاری کی (”وصلی علیہ“ والی) یہ روایت درست نہیں، راوی نے غلطی سے ”وصلی علیہ“ زائد ذکر کر دیا ہے۔

(۲)..... نتیجہ صاف ہے کہ صحیح بخاری کی یہ روایت (یونس عن الزہری کی ۸۰ کوڑوں والی) درست نہیں، راوی نے غلطی سے ۴۰ کے بجائے ”۸۰“ کوڑوں کا ذکر کر دیا۔

(۳)..... نتیجہ صاف ہے کہ صحیح بخاری کی یہ روایت (حدیث معراج) درست نہیں، راوی اس میں وہم کا شکار ہو گیا اور اس پر محدثین کا کلام مشہور ہے۔ (دیکھیے حاشیہ توضیح الکلام: ۷۰۱)

صحیح بخاری و مسلم کی تنقید شدہ روایات:

موصوف اثری لکھتے ہیں:

”بخاری و مسلم میں ایسے اصحاب غرائب و افراد کی وہ روایات جن پر محدثین نے نقد کیا ہے ہم انہیں کب

قبول کرتے ہیں؟ ہم تو ثابت کر آئے ہیں کہ امام مئمّرؒ جو بالاتفاق ثقہ اور زہری کی روایت میں اثبت روات

میں شمار ہوتے ہیں۔ خود امام بخاریؒ نے صحیح بخاری میں اس کے تفرد پر کلام کیا ہے۔“ (توضیح: ۴۷-۴۶)

(جاری ہے۔۔۔۔)

اگر یہ مدارس نہ رہے تو!

ایک مسلمان کے لیے یہ بات باعث افتخار ہے کہ اس کو اللہ تعالیٰ نے اسلام کی صورت میں ایک مکمل اور زندہ و جاوید دستور حیات مرحمت فرمایا ہے، مسلمانوں کا چودہ صدیوں پر محیط ایک شاندار اور درخشاں ماضی ہے، ان کے پاس ایک عظیم الشان تہذیب و ثقافت ہے، قرآن و سنت کی شکل میں ان کے پاس خدائی رہنمائی موجود ہے، قرن اول سے لے کر عصر حاضر تک علمائے اسلام کی جہد مسلسل کے نتیجے میں فقہ اسلامی کی عظیم علمی میراث اور بے مثال دستور حیات کا ذخیرہ انہیں میسر ہے، یہ مسلمان ہی تھے اور ہیں کہ جنہوں نے دنیا کو خدائی ہدایت اور رہنمائی سے روشناس کروایا، انہیں شرک، کفر اور جہالت کی اتھاہ گہرائیوں سے نکال کر ایمان و ایقان اور علم کی روشنیوں سے مالا مال کیا، دنیائے انسانیت کو دستور حیات دیا، انہیں تہذیب دی، امن دیا، مظلوموں اور ناداروں سمیت تمام طبقات انسانی کو حقوق دیے، غرض انسانیت کو جینے کا سلیقہ اور قرینہ عطا کیا۔

مسلمانوں کے عروج سے انسانی دنیا اور ان کی زندگیوں پر جو مثبت اور زوال سے جو منفی اثرات مرتب ہوئے ہیں تاریخ انسانی سے واقف ایک ادنیٰ طالب علم بھی اس کا انکار نہیں کر سکتا، لیکن انسانوں میں ہمیشہ سے ایک ایسا استعماری طبقہ چلا آ رہا ہے جو اپنے سینوں میں موجود کینہ، بغض اور حسد کی بنا پر انسانیت کو آسمانی ہدایت و رہنمائی سے محروم کر کے ان کا استحصال کرنا چاہتا ہے، اسی غرض سے اس استعماری طبقہ نے ہر دور میں خدائی ہدایت و رہنمائی کے علم بردار مسلمانوں سے مختلف میدانوں میں جنگیں لڑیں، مسلمانوں کی اجتماعیت جب تک وحی الہی کی رہنمائی میں زندگی گزارتی رہی نصرت خداوندی ان کے شامل حال رہی، لیکن جب مسلمانوں کی اجتماعیت اور معاشرہ خدائی تعلیمات کو چھوڑ کر نفس پرستی اور اپنی خواہشات کی تکمیل میں مصروف ہو گیا تو اس استعماری طبقہ کو اپنی سازشوں میں کامیاب ہونے کا موقع ملا، جس کے بڑے مظاہر اندلس، برصغیر اور ترکی سے مسلمانوں کے اجتماعی نظم کو ایک نئے استعماری اور استحصالی نظام سے بدلنے کی صورت میں ظاہر ہوئے، چنانچہ مذہبی بنیادوں پر استوار مغربی استعمار کو جب دنیا میں غلبہ حاصل ہوا تو اس نے باقاعدہ استعماری و تبشیری مشن کے تحت مسلمانوں کی عظیم الشان تاریخ، تہذیب و تمدن اور بے مثال علمی ورثہ اور سرمایہ پر قدغن لگانے اور اس کی حقیقت کو مسخ کرنے کی خاطر ایک استثنائی تحریک چلائی، جس کے پس پردہ متعدد سیاسی، دینی، تبشیری اور استعماری محرکات تھے، جن کا مقصد صرف اور صرف انسانیت کو اسلام و

مسلمانوں کے پاس موجود لاریب خدائی وحی کی رہنمائی سے محروم کرنا تھا۔
ان مخصوص اہداف کی تکمیل کے لیے ان کی تمام تر دلچسپی اور کوشش یہ رہی کہ اسلام اور اس کے محاسن میں عیب جوئی کی جائے، نبی آخر الزماں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک اور آپ کی نبوت پر زبان طعن دراز کی جائے، مغرب و یورپ کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان عالی میں گستاخی کرتے ہوئے خاک کے شائع کرنا ہر گز بھی اتفاقی بات نہیں، بلکہ یہ اسی حسد و کینہ کا اظہار ہے جو زمانہ قدیم سے ان کے سینوں کو جلائے ہوئے ہے، غرض اسلام اور نبی آخر الزماں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ان کا یہ مذموم گستاخانہ رویہ اس لیے ہے کہ مسلمانوں کو ان کے دین و تہذیب سے ہٹا کر فکری اعتقادی اور عملی ارتداد کا شکار کیا جاسکے اور باقی تمام انسانیت کو یہ باور کروایا جاسکے کہ اسلام کے ماننے والے مسلمان ایک وحشی، سفاک، خون ریز اور دہشت گرد قوم ہے، اہل مغرب نے ”دہشت گردی“ کی مخصوص اصطلاح انہی مقاصد کی تکمیل کے لیے ایجاد کی ہے، یہ بات پورے شرح صدر کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ مغربی استعماری تسلط سے پہلے دنیا میں اس اصطلاح کا کوئی وجود نہ تھا، بلکہ نائن الیون سے قبل دنیا کی اکثریت کے لیے یہ اصطلاح نامانوس تھی۔ ان لوگوں نے اسی پر بس نہیں کیا، بلکہ اپنے ان استعماری و تبشیری مقاصد کے حصول کے لیے کچھ نام کے مسلمان بھی تیار کیے، جن کی باقاعدہ بالواسطہ یا بلاواسطہ انہی استعماری خطوط پر پرورش، تعلیم و تربیت کر کے ان کے دل و دماغ میں ایسا زہر بھر دیا کہ وہ اپنے مغربی آقاؤں سے بھی دو ہاتھ آگے نظر آتے ہیں، ان لوگوں نے اس ذہن سازی کے نتیجے میں اب اسلام کے خلاف فکری و قلمی ہتھیار خود تلاش شروع کر دیے ہیں، تبشیری مستشرقین کے تربیت یافتہ و فیض یافتہ ان نام نہاد مسلم مفکرین، پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا سے وابستہ اینکر پرسن اور قلم کاروں نے اپنی ہی نسل نو کے سامنے اسلامی تہذیب و ثقافت اور اسلامی اقدار کے امین ”مدارس“ کی ایسی جھوٹی منظر کشی کی ہے کہ جس کا حقیقت کے ساتھ ذرہ برابر بھی تعلق نہیں، پھر کچھ مسلمان ایسے بھی ہیں جو دیدہ دانستہ یا انجانے میں اپنی سادگی یا ان کے پروپیگنڈہ کی شدت سے متاثر ہو کر انہی کی ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

عصر حاضر میں انہیں اسلام پر اپنے ناپاک حملہ میں مزید شدت لانے کی اس لیے بھی ضرورت محسوس ہوئی کہ جب انہوں نے دیکھا کہ تہذیب جدید نے اہل مغرب کے عقائد سے لے کر معاشرتی نظام تک کی بنیادوں کو ہلا ڈالا ہے اور وہ اب اپنے اندر کی بے چینی سے مجبور ہو کر اسلام کی حقانیت میں سکون تلاش کرنے لگے ہیں تو اس استعماری و تبشیری طبقہ نے اہل مغرب کو اپنے عقیدہ اور مقدس کتاب میں موجود تحریفات پر غور و نقد سے روکنے اور دنیا کو اسلام کی حقانیت سے دور رکھنے کے لیے اسلام اور مسلمانوں پر

سیاسی، معاشی، فکری، اور استعماری و عسکری میدانوں میں ہلہ بول دیا، مغربی استعمار چوں کہ قرون اولیٰ کی اسلامی فتوحات، صلیبی جنگوں اور عثمانی خلفاء کی یورپ میں حاصل کی گئی فتوحات کے نتیجہ میں اہل مغرب میں پیدا ہونے والے خوف اور اسلام کی شان و شوکت سے اچھی طرح واقف ہیں، اس پر نائن الیون جیسے مجہول الحال واقعات نے جلتی پرتیل کا کام کیا، چنانچہ انہوں نے خوف و ہراس کے اس نفسیاتی ماحول سے بھرپور فائدہ اٹھایا اور اس ماحول میں مزید اضافہ کے اقدامات کرتے ہوئے اسلام اور مسلمانوں کے حقیقی تشخص کو مٹانے کے لیے ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت متضاد مسلمانوں کو ”دہشت گرد“ اور ان کی دینی، فکری اور عملی تربیت کرنے والے اداروں، خاص طور سے سے مدارس کو ”دہشت گردی کے مراکز اور فکری آماجگاہیں“ قرار دینے کا ایک ناختم ہونے والا مسلسل پروپیگنڈا شروع کر رکھا ہے، اس زہریلے پروپیگنڈہ میں ان کے دیسی نمک خوار بھی ان کے شانہ بشانہ مصروف کار دکھائی دیتے ہیں۔

مدارس دینیہ چوں کہ اسلام، اسلامی تہذیب و ثقافت اور امت مسلمہ کی چودہ صدیوں کے عظیم الشان دینی اور علمی ورثہ کے امین ہیں، مدارس کی شانہ روز محنتوں سے اسلام اپنے حقیقی روح و عمل کے ساتھ روئے زمین پر موجود ہے، یہ مدارس ہی ہیں جن کی جہد پیہم کی وجہ سے آج برصغیر پاک و ہند استعمار کی شدید ترین کوششوں کے باوجود ”اندلس“ نہیں بن سکا ہے، مگر یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ ساٹھ سے زائد مسلمان ممالک اپنے تمام تر وسائل کے باوجود بھی ان استعماری سازشوں کا مقابلہ نہیں کر سکے، بلکہ اس پر مستزاد دکھ دینے والی صورت حال یہ ہے کہ اکثر مسلم ممالک استعماری سازشوں کا شکار ہو کر ان کے سامنے گھٹنے ٹیک چکے ہیں، چوں کہ مغربی استعماری قوتوں کو اس بات کا بخوبی ادراک ہے کہ ان کے منصوبوں کی تکمیل کی راہ میں آخری رکاوٹ ”دینی مدارس“ ہیں، اس لیے ان کا سارا زور اس بات پر ہے کہ کسی بھی طرح سے مدارس کو موجودہ ”دہشت گردی“ کے ساتھ نہ تھی کر کے انہیں راہ سے ہٹا دیا جائے، اگر ایسا نہ ہو سکا (اور یقیناً نہیں ہوگا۔ ان شاء اللہ) تو ان کے نصاب میں ایسی تبدیلیاں کروائی جائیں کہ مدارس سے بھی ”لارڈ میکالے“ کے دیے ہوئے نظام تعلیم کی طرح انہی کے پروردہ لوگ نکلیں، جن میں دنیا کو حقیقی اسلام سے متعارف کروانے کی صلاحیت مفقود ہو، جو ہر طرح کے جذبہ حریت سے خالی ہوں۔

اہل مغرب کی طرف سے ”مدارس دینیہ“ کے بارے میں آئے روز جونت نئے پروپیگنڈے کیے اور اپنے دیسی نمک خواروں کے ذریعے کروائے جارہے ہیں، ان میں جس طرح نائن الیون کے بعد شدت لائی گئی تھی ٹھیک اسی طرح کچھ عرصہ قبل رونما کروائے جانے والے سانحہ پشاور کے بعد بھی حکومتی سطح سے لے کر پرنٹ و الیکٹرانک اور سوشل میڈیا میں بھی ایک شور و غل مچا ہے کہ ہونہ ہو اس دہشت گردی کے پیچھے

مدارس، ان کا نصاب تعلیم اور ان کے اساتذہ کی فکری و عملی تربیت کا فرما ہے، اس بارے میں ہمیں مغرب سے کوئی گلہ نہیں، چوں کہ اپنی راہ کی اس آخری رکاوٹ کو ہٹانے اور اپنے استعماری و تبشیری مقاصد کی تکمیل کے لیے وہ ”مدارس“ کو دہشت گردی کے اڈے بھی باور کروائیں گے، ان کے نصاب تعلیم پر بھی قدغن لگائیں گے، اور جہاں تک ممکن ہو ان پر طرح طرح کے الزامات لگا کر انہیں مشکلات سے بھی دوچار کرنے کی کوشش کریں گے، لیکن ہمیں گلہ اور شکوہ ہے تو ان نام نہاد مسلم دانشوروں اور ان کے فیض یافتہ شاگردوں سے ہے جو خود کو مسلمان اور اسلام کا خیر خواہ بھی ظاہر کرتے ہیں لیکن ساتھ ساتھ یہ کہہ کر مدارس کو موجودہ ”دہشت گردی“ سے نتھی کرنے پر کمر بستہ نظر آتے ہیں کہ ماؤ نے کہا تھا: ”کہ تم لوگوں کو ذہنی طور سے مسلح کر دو، پھر تھیا روہ خود تلاش کر لیں گے۔“

ان بے چاروں کا تصور نہیں، یہ درحقیقت سیکولرازم کے داعی اساتذہ کی طرف سے ان کی ذہن سازی ہی کا نتیجہ ہے کہ ان لوگوں نے اپنے تمام تیروں کا رخ دینی مدارس کی طرف کر دیا ہے، ہم ان سے اور مدارس کے خلاف پروپیگنڈہ کرنے والے دیگر تمام حضرات سے بصد احترام یہ کہیں گے کہ یہ ہر بات ذی شعور پاکستانی اچھی طرح جانتا ہے کہ موجودہ عسکریت پسندی اسی (۸۰) کی دہائی میں عالمی امن کے ٹھیکیدار، صاحب بہادر امریکہ کی آشیر باد پر بنائی جانے والی ہماری اپنی حکومتوں کی خارجی اور داخلی پالیسیوں کا نتیجہ ہے، نہ کہ دینی مدارس، ان کا نصاب تعلیم اور ان کے اساتذہ کی تربیت؛ اس لیے کہ دینی مدارس کم و بیش اپنے اسی نصاب تعلیم اور اساتذہ کے اسی انداز فکر و تربیت کے ساتھ گزشتہ ڈیڑھ سو سال سے اس خطے میں خدمات انجام دے رہے ہیں، بقول کسے: ”کہ مدارس کا تعلیمی ماحول اور تربیتی فضا ہی عسکریت کا باعث ہیں“ تو انہیں یہ بھی بتانا پڑے گا کہ اگر واقعی ایسا ہی ہے جیسا آپ باور کروانا چاہتے ہیں تو پھر قیام پاکستان کے ساتھ ہی عسکریت پسندی کیوں شروع نہ ہوئی؟ اس نے اسی (۸۰) کی دہائی کا ہی کیوں انتظار کیا؟! یہ کسے معلوم نہیں کہ جب صاحب بہادر کی ضرورت تھی تو اس وقت ”سرخ عفریت“ کو ٹھکست دینے کے لیے ہمارے حکمرانوں نے خود ان کی ہمنوائی میں سویلیز کو عسکریت کے فضائل سنائے، انہیں مسلح کیا اور انہیں ہر طرح سے پروموٹ کر کے ان کے تمام تر اقدامات کو ریاستی سطح پر جہاد کا درجہ دیا، آج جب سوویت یونین کو ٹھکست و ریخت سے دوچار ہوئے عرصہ گزر گیا اور صاحب بہادر امریکہ اپنے سیاہ کرتوتوں کی وجہ سے سرخ انقلاب کی طرح زوال پذیر ہونے جا رہا ہے تو وہ اور ان کے ہم نوا کل جنہیں خود مجاہدین باور کروا رہے تھے آج خود ہی انہیں خوارج قرار دینا چاہتے ہیں، جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے، یہ کوئی سوچ ہے یا باز سچہ اطفال؟! قطع نظر اس سے کہ ہمیں یا کسی کو بھی کل اور آج کی پالیسیوں سے اتفاق رہا یا نہیں، اتنی بات تو طے

شدہ ہے کہ آج خون ریزی اور عسکریت پسندی کی شکل میں پوری قوم جس فصل کو کاٹ رہی ہے وہ گزشتہ دہائیوں ہی کی کاشت کردہ ایک زمینی حقیقت ہے، خروج و عدم خروج کی فکری بحث کے لیے صرف اخباری کالم نہیں، علمی وسعتوں، حزم و احتیاط اور زمینی حقائق کے ساتھ اس کا واویلا کرنے والوں کے کل اور آج کے کردار و گفتار کو بھی ضرور پیش نظر رکھنا پڑے گا، کیا یہ بات قرین انصاف ہوگی کہ خود اسلام سے عملی روگردانی کر کے دوسروں پر خروج کے فتوے لگائے جائیں؟ دل چاہتا ہے کہ ان سے یہ پوچھا جائے کہ کیا زبردستی اور من مانی کر کے کسی پر خروج کے فتوے چسپاں کرنے سے وطن عزیز کے تمام مسائل حل ہو جائیں گے؟ کوئی بھی صاحب عقل و شعور اسے موجودہ تمام مسائل کا حل وحید ہرگز بھی قرار نہیں دے گا، تو پھر کیوں بعض ناعاقبت اندیش ان ”امپورٹڈ فتوؤں“ سے ملک کو مزید آگ و خون ریزی کی طرف دھکیلنا چاہتے ہیں؟

طرفہ تماشہ دیکھیے کہ یہ لوگ اسی پر بس نہیں کرتے، بلکہ استعماری مقاصد کی تکمیل کی راہ ہموار کرنے کے لیے مدارس کو بھی عسکریت پسندی سے نتھی کر کے ان کو اور عسکریت پسندوں کو ایک ہی لاشی سے ہانکنا چاہتے ہیں، حالاں کہ اہل مدارس، خاص طور سے وفاق المدارس العربیہ نے کچھ عرصہ قبل لاہور کے ملک گیر علماء کونشن میں یہ بات واضح کر دی تھی کہ وہ پاکستان کے اندر کسی بھی طرح کی عسکریت پسندی کے قائل نہیں، عالمی اور ملکی میڈیا اس کا شاہد رہا ہے، پھر بڑے وسیع پیمانے پر اس کانفرنس کا اعلامیہ شائع کروا کے ملک بھر میں باقاعدہ تقسیم بھی کیا گیا۔ مزید برآں مدارس کے خلاف زہرا گلنے والوں کو بھی اعتراف ہے کہ مدارس والے عسکریت پسندوں کے اس طرز عمل سے متفق نہیں، سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب اہل مدارس اس طریقہ کار سے اختلاف کرتے ہیں اور آپ کو بھی اس کا اعتراف ہے تو پھر کیوں مدارس کو زبردستی عسکریت سے جوڑنے کی سعی نامسعود کی جا رہی ہے؟ اگر حقائق کے برخلاف مدارس کو یوں ہی زبردستی اس آگ میں دھکیلنے کی کوشش کی جائے گی کہ جس میں نہ ملک و قوم کا مفاد ہو اور نہ ہی حکومت کا تو پھر علماء ضرور یہ کہنے میں حق بجانب ہوں گے کہ مدارس کے خلاف یہ یلغار امریکہ اور لادین قوتوں کے کہنے پر کی جا رہی ہے، لیکن ان کے اس بیان سے نظم اجتماعیت کے ہونے یا نہ ہونے کا لفظی چکر چلا کر اسے عسکریت پسندی کے جواز پر محمول کرنا زبردستی کے سوا کچھ بھی نہیں۔ سستی شہرت کے حصول لیے آپ کسی اور میدان کا انتخاب کیجیے، دنیا میں ریٹ بڑھانے کے تو اور بھی ذرائع ہیں، کیا اس کے لیے مدارس کو ہی دوش دینا ضروری ہے، خدا را! اس مذموم پروپیگنڈہ سے باز آ جائیں ورنہ خدا کی لاشی بے آواز ہوتی ہے، جس دن خدا کی لاشی حرکت میں آگئی تو پھر ان بور یہ نشینوں اور مدارس کے خلاف زہرا گلنے والی یہ زبانیں گنگ اور قلم کی سیاہی خشک ہو جائے گی۔

کوئی اور اگر آپ کی پیش کی ہوئی ”ماؤ“ والی اس ”نزالی منطق“ کا سہارا لے گا تو یقیناً یہ کہنا بے جا

نہ ہوگا کہ گذشتہ ستر سالوں سے وطن عزیز میں جتنی بھتہ خوری، ٹارگٹ کلنگ، کرپشن، حقوق کی پامالی، منتخب حکومتوں پر آمریت کے شب خون، ملک کو دو لخت کرنے، ملک و قوم کی دولت کو دونوں ہاتھوں سے لوٹ کر سوکس بینکوں میں بھرنے، علاقائیت، صوبائیت قومیت اور لسانیت کے نام پر کشت و خون اور دہشت گردی، پولیس گردی کے ذریعہ سینکڑوں معصوم شہریوں کو جان سے مارنے، لاپتہ افراد کیس کے مطابق متعدد قوم کے فرزندوں کو تاحال غائب کرنے اور قوم کی بیٹی عافیہ صدیقی کو چند ڈالروں کے عوض فروخت کرنے کے پیچھے کالج اور یونیورسٹیوں میں رائج لارڈ میکالے کا نظام تعلیم، وہاں کا نصاب اور وہاں پڑھانے والوں کی فکری اور ذہنی تربیت اور ماحول کا فرما ہے، یا پھر ملک کا اجتماعی نظام؛ اس لیے کہ مذکورہ کاموں میں یقیناً کوئی ایک بھی مدارس کا فیض یافتہ یا وہاں کے اساتذہ سے فکری تربیت پانے والا نہیں۔ گزشتہ کل کے اخبار میں یہ خبر۔۔۔ کہ لاہور میں اغوا برائے تاوان اور بردہ فروشی کی وارداتیں کرنے والے مرد و عورت دونوں یونیورسٹی کے اعلیٰ تعلیم یافتہ ہیں۔۔؛ لہذا مدارس سے زیادہ ان اداروں کی اصلاح کی ضرورت ہے۔

میں اپنی تحریر کو ختم کرنے سے پہلے وطن عزیز کے حکمرانوں، قومی اداروں کے پالیسی ساز ذمہ داروں اور پرنٹ و الیکٹرانک میڈیا سے وابستہ اپنے پاکستانی بھائیوں کی خدمت میں مدارس کے بارے میں شاعر مشرق، مفکر و محسن پاکستان جناب علامہ ڈاکٹر محمد اقبال مرحوم کے اس قول کو پیش کرنا ضروری خیال کرتا ہوں، جو یقیناً آب زر سے لکھے جانے کے قابل ہے، تم ہماری نہیں مانتے ہو تو نہ مانو، اگر تم اس ملک و قوم کے خیر خواہ اور وفادار ہو تو اپنے محسن اور مفکر وطن کی تو مانو، علامہ صاحب نے فرمایا:

”ان مکتبوں کو اسی حال میں رہنے دو، غریب مسلمانوں کے بچوں کو انہیں مدارس میں پڑھنے دو، اگر یہ ملا اور درویش نہ رہے تو جانتے ہو کیا ہوگا؟ جو کچھ ہوگا میں اسے اپنی آنکھوں سے دیکھ آیا ہوں، اگر ہندوستانی مسلمان (اور اب پاکستانی مسلمان بھی) ان مدرسوں کے اثر سے محروم ہو گئے تو بالکل اسی طرح ہوگا جس طرح اندلس میں مسلمانوں کی آٹھ سو برس کی حکومت کے باوجود آج غرناطہ اور قرطبہ کے کھنڈرات اور الحمراء کے نشانات کے سوا اسلام کے پیروؤں اور اسلامی تہذیب کے آثار کا کوئی نقش نہیں ملتا، برصغیر پاک و ہند میں بھی آگرہ کے تاج محل اور دلی کے لال قلعہ (لاہور کے شاہی قلعہ اور بادشاہی مسجد) کے سوا مسلمانوں کی آٹھ سو سالہ حکومت اور ان کی تہذیب کا کوئی نشان نہیں ملے گا۔“

شیخ الحدیث مولانا عبدالقدوس قارن مدظلہم کے برادرِ نسبتی، مولانا عبدالوکیل خان مغیرہ کے حقیقی ماموں محترم حافظ محمد یوسف صاحب کی والدہ، استاذِ مکرم مولانا قاری محمد صادق مدظلہ کی خوشدامن صاحبہ قارئین سے مرحومین کے لیے مغفرت اور پسماندگان کے لیے صبر جمیل کی دعا کی درخواست ہے۔

قارئین کی آراء

قابل صدا احترام مولانا احسن خدائی صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ
مجلہ صفدر کا ہر شمارہ موصول ہوتا ہے اور اسے بے حد شوق سے زیر مطالعہ رکھتا ہوں۔ امید ہے
آئندہ بھی موصول ہوتا رہے گا۔

بندہ حضرت امام اہل سنت رحمہ اللہ کی صحبت صالح سے توفیضیاب نہ ہوسکا، لیکن اُن کی کتب
کے مطالعہ سے اُن کے ساتھ غیر معمولی محبت پیدا ہوئی۔ اسی محبت کی وجہ سے خاندان صفدر یہ کہ کسی
بھی فرد کی کوئی بھی کتاب (یا تحریر) مل جائے تو انتہائی شوق سے پڑھتا ہوں۔

ایک مرتبہ گوجرانوالہ جانا ہوا، مکتبہ امام اہل سنت پر حاضری دی، دراصل اُس وقت میں (شیخ
الحمدیث حضرت) مولانا عبدالقدوس خان قارن مدظلہ کی کتاب ”مولانا ارشاد الحق اثری کا مجذوبانہ
واویلا“ کی تلاش میں تھا جو کہیں سے نہیں مل رہی تھی۔ مکتبہ میں موجود محقق اہل سنت مولانا عبدالحق خان
بشیر کی کئی کتب بھی لیں۔ اسی دوران الشریعہ کے ناظم ترسیل نے ”الشریعہ“ اٹھا کر دیا اور کہا کہ: یہ امام
اہل سنت کے بیٹے مولانا زاہد الراشدی کی سرپرستی میں شائع ہوتا ہے۔ بندہ نے الشریعہ کو صرف اس
لیے زیر مطالعہ رکھا کہ امام اہل سنت کی طرح یہ بھی اپنے مسلک کی ترجمانی کرے گا۔ (جبکہ میں مولانا
محترم کے اس قول سے قطعاً ناواقف تھا کہ: ”الشریعہ کو مسلکی ترجمان کے طور پر ہم نے کبھی پیش نہیں
کیا۔“ [اشاعت خاص، ص: ۷۵]) لیکن الشریعہ میں مختلف قسم کی ہفوات پڑھ کر، حضرت امام اہل
سنت کی کتب کے مطالعہ سے بندہ میں جو مسلکی تصلب پیدا ہوا تھا، وہ نہ رہا۔ اور بندہ مختلف وساوس کا
شکار ہو گیا۔ ایک طرف تو حضرت امام اہل سنت رحمہ اللہ نے کس طرح باطل فرقوں کا تعاقب کر کے
لوگوں کو ان سے (اور ان کی تحریروں سے) دُور رہنے کا درس دیا ہے۔ جبکہ دوسری طرف یہ حضرات
رواداری کے نام پر لوگوں کو کس راہ پر چلنے کی دعوت دے رہے ہیں؟

لیکن مجلہ صفدر زیر مطالعہ رکھنے سے حقیقت واضح ہوئی کہ یہ لوگ حضرت امام اہل سنت کے
نقش قدم پر چلنے کے بجائے کسی اور راہ پر گامزن ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے کہ آپ
ہی کے جریدے کے ذریعے بندہ پر حقیقت آشکارا ہوئی۔

بندہ سعید شیخ سلطان، ٹانک، کے پی کے

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما

تو فراست کا سمندر نور کا مینار بھی
قابل تقلید تیرا قول بھی، کردار بھی
تیرے سینے میں خزانہ علم کا عرفان کا
تو کھلی کھڑکی بھی ہے اور آہنی دیوار بھی
تیری سیرت میں ہر اک خوبی بڑے انسان کی
گفتگو کا حسن بھی ہے، شیر کی لکار بھی
تیرے ہر اک لفظ میں ہے شہد سے بڑھ کر مٹھاس
تیری باتوں میں گلوں کے رنگ بھی، مہکار بھی
تُو صحابی اور بھائی بھی رسولِ پاکؐ کا
تیرا سر بھی ہے مقدس اور تری دستار بھی
بادشاہوں سے کہیں بڑھ چڑھ کے ہے رتبہ ترا
بادشاہوں سے کہیں بڑھ کر ترا پندار بھی
تُو صداقت کا مدینہ تو شرافت کا پہاڑ
تو محدث، تو مفسر، تو سپہ سالار بھی
سرخمیدہ ہیں ترے آگے زمانوں کے ستون
مطمئن اپنے بھی ہیں اور معترف اغیار بھی

☆.....☆.....☆.....☆